ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

فروری ۱۹۸۶ء

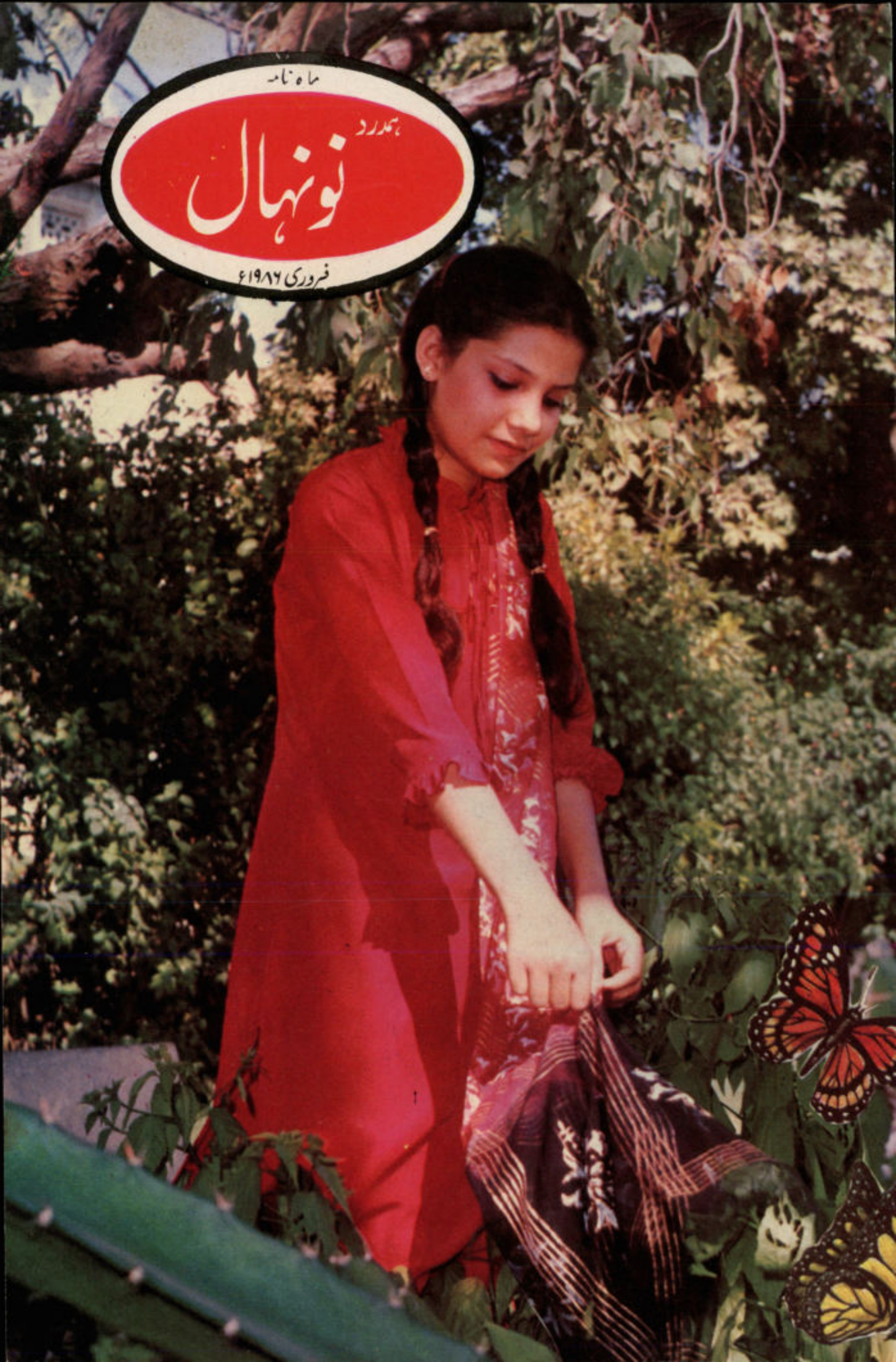

نزلہ، زکام اور کھانسی

سے محفوظ رہنے کی آسان تدبیر

سعالین شیشی کے علاوہ نئی اسٹرپ پیکنگ
میں اب پہلے سے زیادہ محفوظ۔

مناسب احتیاط برتئے۔ بروقت سعالین لیجیے

ہمدرد

ہم خدمت خلق کرتے ہیں

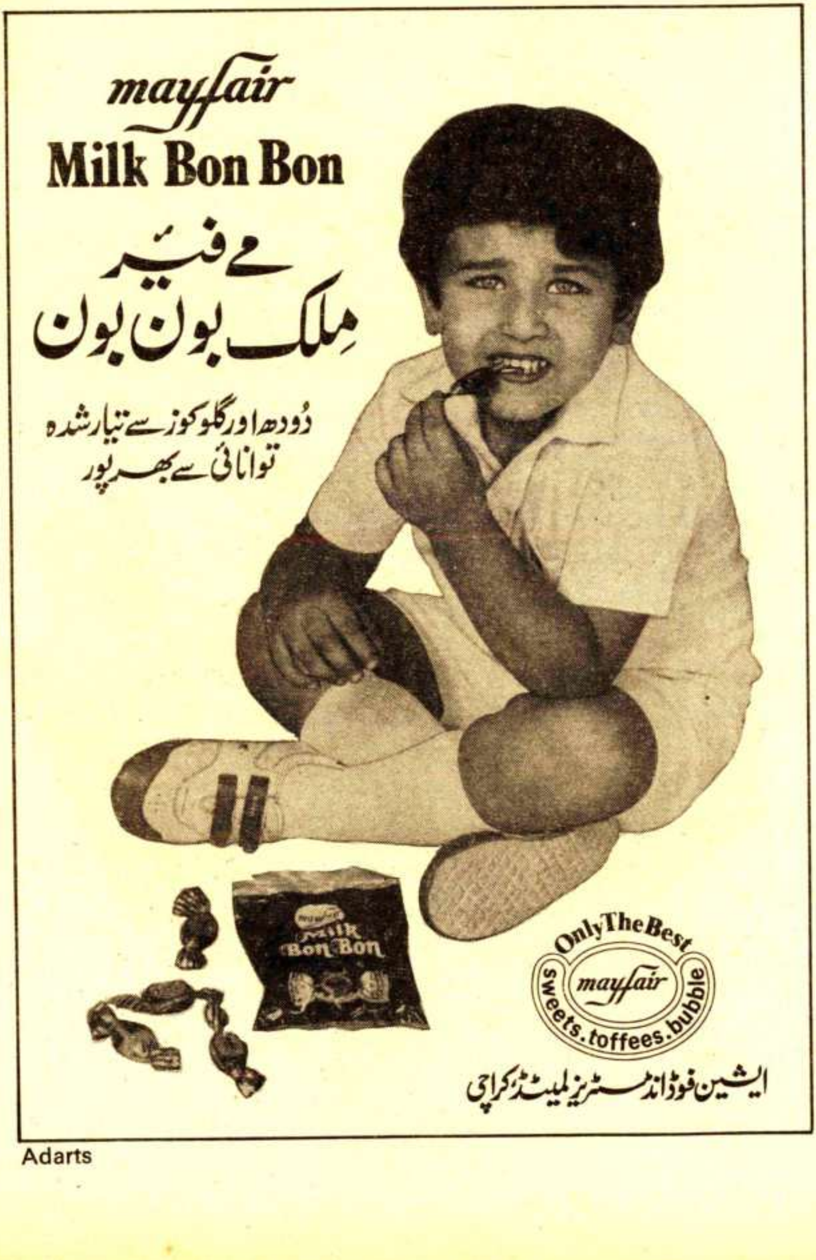
mayfair
Milk Bon Bon
مے فیئر
مِلک بون بون
دُودھ اور گلوکوز سے تیار شدہ
توانائی سے بھرپور
Milk Bon Bon
Only The Best
mayfair
sweets.toffees.bubble
ایشین فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی

Adarts

تمام طلباء و طالبات کی دلپسند

نوٹ بکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلیٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررہ داموں پر دستیاب ہیں۔

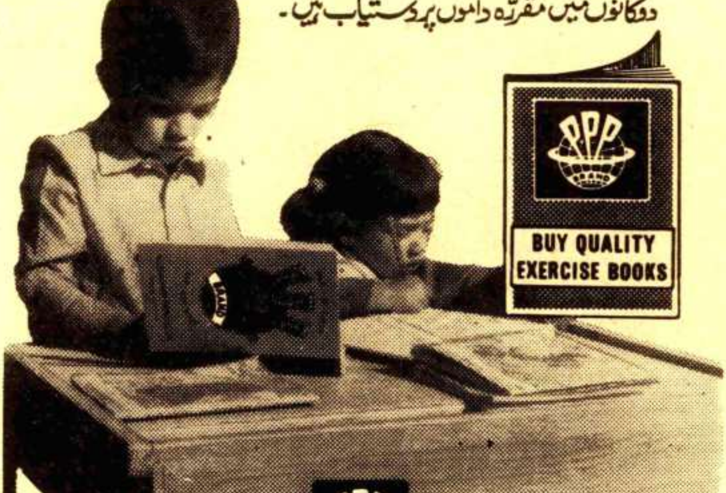

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ
پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸ ۔ کراچی ۳

786/PPP-16/84

ٹیلے فون: ۶۱۶۰۰۱ تا ۶۱۶۰۰۵ (۵ لائنیں)

ہمدرد نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

مجلس ادارت

صدر مجلس — حکیم محمد سعید

مُدیر اعلا — مسعود احمد برکاتی

مُدیرۂ اعزازی — سعدیہ راشد

جمادی الاوّل — ۱۴۰۶ ہجری

فروری — ۱۹۸۶ عیسوی

جلد — ۳۴

شمارہ — ۲

فی کاپی — ۴ رُپے

سالانہ — ۴۵ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۸۱ رُپے

پتا:

ہمدرد نونہال

ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد

کراچی ۱۸

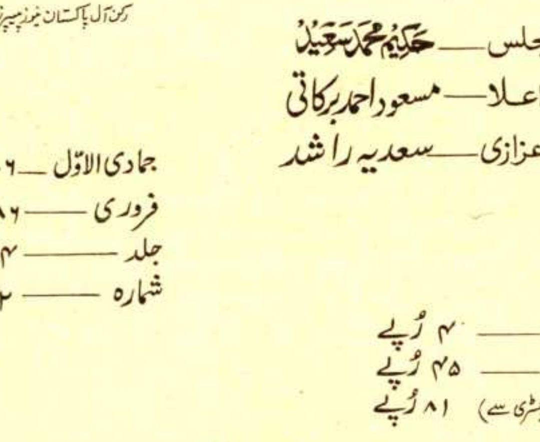

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے؟

عنوان	مصنف	صفحہ
جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۵
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۶
بچوں سے سلوک (نظم)	جناب فیض لودھیانوی	۷
سفید مٹی	جناب ایم الیاس	۹
نغمۂ امن (نظم)	جناب قمر ہاشمی	۱۷
دُم دار ستارہ	جناب سید ندیم یوسف	۱۸
تحفے	باذوق نونہال	۲۳
جھوٹا بہانہ (نظم)	جناب محمد انوار احمد	۲۷
انسائکلوپیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۲۹
نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۳۲
سلطان کی سائکل	جناب میرزا ادیب	۳۳
وہ میرا شربت	جناب سید رشید الدین	۳۹
پیالہ	جناب نسیم سترکھی	۴۳
کارٹون	جناب مشتاق	۴۶
کیسی تھکن	ادارہ	۴۷
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۴۹
اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۵۳
صحت مند نونہال	ادارہ	۵۴
جانیں بچانے والا ہوا باز	جناب علی اسد	۵۵
بزم ہمدرد نونہال	جناب شہزاد منظر	۶۱

معلومات عامہ ۲۳۸ ــ ادارہ ۶۹ ✱ مسکراتے رہو ــ ننھے مزاح نگار ۷۱ ✱ اس شمارے کے مشکل الفاظ ــ ادارہ ۷۲ ✱ دُور دنیا کا...... ــ نجم السحر ۷۵

نئی روشنی ــ رؤف احمد خاں ۷۸ ✱ آزادی کی قیمت ــ سید سلیم احمد شمسی ۸۱ ✱ انعامی کہانیاں لکھنے والے نونہال (دوسری قسط) ــ ادارہ ۸۲ ✱ نونہال ادیب

ننھے لکھنے والے ۸۵ ✱ ننھے قارئین لکھتے ہیں ــ نونہال پڑھنے والے ۱۰۲ ✱ معلوماتِ عامہ ۲۳۶ کے جوابات ــ ادارہ ۱۰۸

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمے دار نہ ہوگا۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

اسلام کے معنی ہیں ماننا، اطاعت کرنا، سر جھکا دینا۔ اسلام ہمارا مذہب اور ہمارا دین ہے۔ دینِ اسلام کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے آگے سَر جھکا دینا، اس کے فرمان کو تسلیم کرنا، اس کی اطاعت کرنا، اس کے حکم کو ماننا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے آگے سَر جُھکا دیتا ہے، یعنی اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے، صرف اللہ اور اس کے پیارے نبیؐ کی ہدایت پر چلتا ہے، اس کے حکم کے خلاف کسی کا حکم نہیں مانتا، جو کام بھی کرتا ہے اللہ کی رضا اور خوشی کے لیے کرتا ہے وہ اسلام میں شامل ہے، یعنی مسلمان ہے۔

قرآن حکیم میں لکھا ہے کہ "اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ"۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھال لو۔ ہر کام اسلام کے مطابق کرو۔ یہ نہ ہو کہ ایک کام تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کرو، دوسرا اپنی مرضی سے۔ ہاں اگر تمھاری مرضی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے خلاف نہیں ہے تو بے شک تم اپنی مرضی پر یا کسی کی مرضی پر چل سکتے ہو، لیکن اگر تمھاری یا کسی کی مرضی اللہ کی رضا سے ٹکراتی ہے تو پھر مسلمان کی حیثیت سے تمھارے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اللہ کی مرضی اور اس کے حکم پر چلنا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی سے تمھارے ماں باپ، تمھارے استاد، تمھارے صدر یا بادشاہ کی مرضی بھی ٹکراتی ہے تو تم بلا خوف اور بلا جھجک اُن کے حکم کو ٹھکرا کر صرف اللہ کے حکم پر چلو۔ حقیقی بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ باقی سب اس کے بندے ہیں، چاہے وہ کتنے ہی بڑے ہوں، کتنے ہی قابل، کتنے ہی مال دار، کتنے ہی مشہور ہوں۔ مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کو مانتا ہے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

خیال کے پھول

* حضور اکرمؐ ـــ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

مرسلہ: غلام مرتضٰے شاد، وزیر آباد

* حضرت سلیمانؑ ـــ سچ کبھی جھوٹ سے شکست نہیں کھاتا۔ مرسلہ: رئیس رحمت اللہ، چوک ظاہر پیر

* حضرت عمرؓ ـــ کم بولنا حکمت ہے، کم کھانا صحت ہے، کم ملنا عافیت ہے۔

مرسلہ: ثروت پروین، ملیر کالونی

* حضرت علیؓ

اس شخص کو کبھی موت نہیں آتی جو علم کو زندگی بخشتا ہے۔

مرسلہ: عزیز گل، مانسہرہ

* حضرت امام غزالیؒ ـــ اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھ لینا جہالت ہے۔ ہر شخص کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہیے۔

مرسلہ: سیف الرحمٰن نذیری، گوجرانوالہ

* ابنِ خلدون ـــ جاہل کا انکسار عالم کے غرور سے بہتر ہے۔ عظمٰی فاطمہ کفایت اللہ، روہڑی

* حضرت مجدد الف ثانی ـــ مومن ہو یا کافر کسی کی دل آزاری نہ کر، اس لیے کہ کفر کے بعد یہی سب سے بڑا گناہ ہے۔ مرسلہ: پرنس افضل شاہین، بہاول نگر

* عنتری ـــ ابتدائی مرض کو حقیر مت سمجھو، وہ آگ کی چنگاری ہے جو شعلہ بن جاتی ہے۔

مرسلہ: ناز سسٹرز، فیصل آباد

* ابنِ جوزی ـــ جس علم سے دل میں رقت، سوز، رنگینی و تابانی پیدا نہ ہو اس کا مطالعہ بے کار ہے۔

مرسلہ: فضل ربی راہی، مینگورہ۔ سوات

* چارلس ڈکنز ـــ کسی کے ہاتھ میں ایسی گھڑی بنانے کی قدرت نہیں جو زندگی کے گزرے ہوئے گھنٹے بجا سکے۔ مرسلہ: فرح نذیر، حیدرآباد

* لاک ـــ دولت محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

مرسلہ: سید حسن مہدی نقوی، سادات کالونی

* نامعلوم ـــ اگر دنیا میں جینا ہے تو دوسروں کے لیے جیو۔ مرسلہ: فرزانہ آفرین، کراچی

* تھامس پین ـــ ہر مذہب اچھا ہے، کیوں کہ وہ انسان کو اچھا بننا سکھاتا ہے۔

مرسلہ: سید محمد راشد عزیز، اورنگی ٹاؤن

* نامعلوم ـــ دنیا میں بغیر سختی کے کامیابی مشکل ہے۔ پتھروں سے آگ نکالنا لوہے ہی کا کام ہے۔

مرسلہ: محمد یعقوب، کراچی

بچوں سے سلوک

فیض لودھیانوی

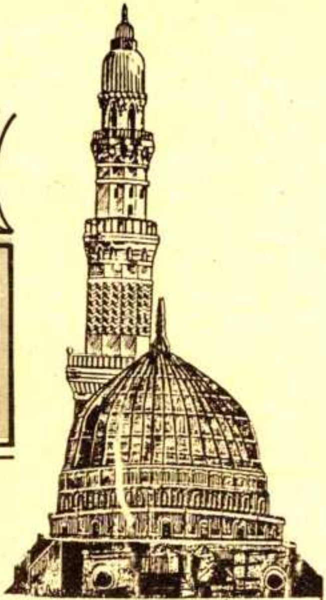

نبیؐ کو خاص محبّت تھی عام بچّوں سے
خوشی کے ساتھ وہ کرتے کلام بچّوں سے

نہیں تھا فرق وہاں مومن اور کافر کا
سلوک ایک سا ہوتا تمام بچّوں سے

کسی لڑائی میں آزاد لڑنے والوں نے
بڑوں کا بدلا لیا کچھ غلام بچّوں سے

حضورؐ نے یہ خبر سُن کے حکم فرمایا
کہ بُھول کر بھی نہ لو انتقام بچّوں سے

جوان مردوں سے لڑنا بہادری ہے مگر
غضب میں لڑتے نہیں نیک نام بچّوں سے

پدر کے فعل کی اولاد ذمّے دار نہیں
جزا سزا کا نہیں کوئی کام بچّوں سے

جو فیض چاہتے ہو صبح و شام اپنا بھلا
تو خود بھلائی کرو صبح و شام بچّوں سے

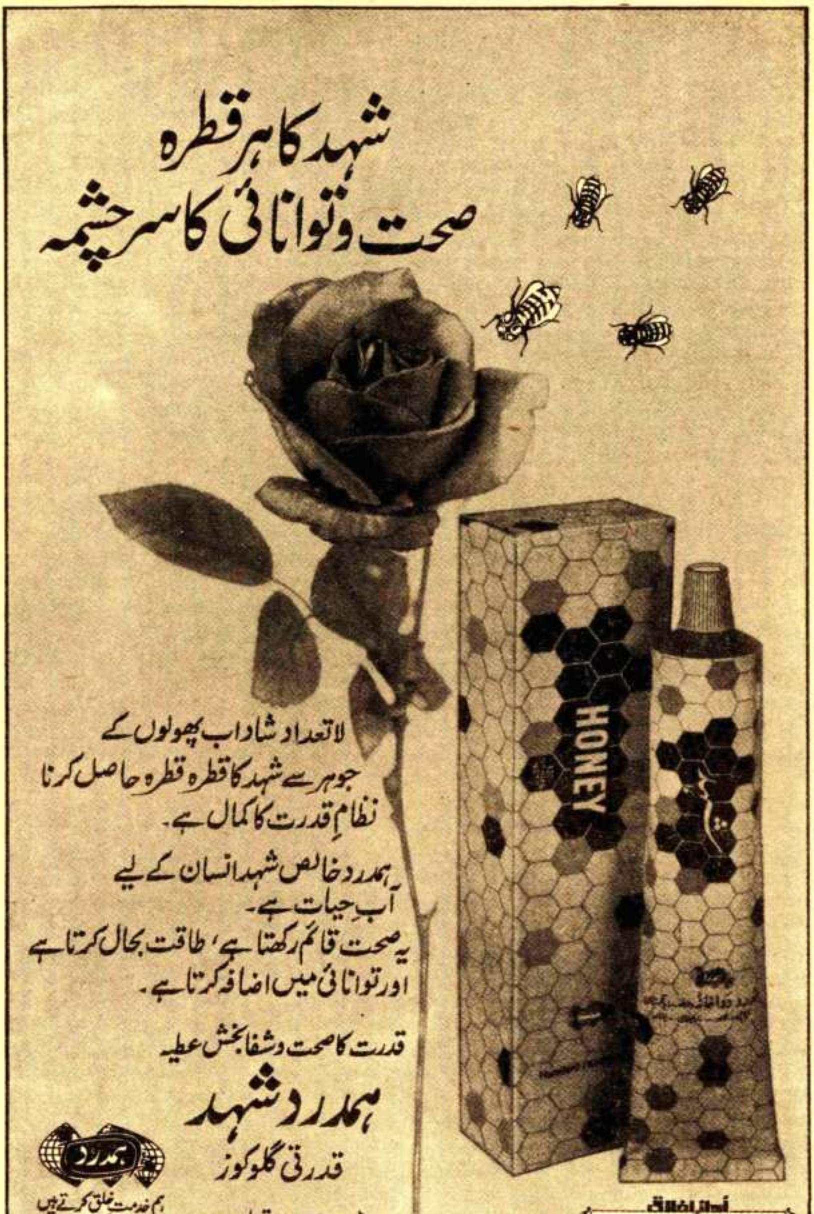

HMD/HNY-1/85 ADARTS

سفید مٹی

ایم الیاس

جزیرہ مالی میں عبدل نامی ایک مشہور تاجر رہتا تھا۔ وہ بڑا ہی نیک اور ایمان دار تھا۔ لوگ اس کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ بہت ہی کم منافع پر تجارت کیا کرتا تھا جس کی وجہ سے اس کا مال ہاتھوں ہاتھ بک جاتا تھا۔ اس نے کبھی لالچ نہیں کیا تھا۔ کم منافع کے باوجود وہ ہمیشہ خوش وخرم رہتا تھا۔ خدا نے اس کے اس طرح صابر و شاکر رہنے پر اس کے کاروبار میں اس قدر خیر برکت دی تھی کہ دوسرے وہ تاجر جو بہت زیادہ منافع کماتے تھے انھیں ایسی خوش حالی اور خیرِ برکت نصیب نہیں تھی۔ وہ عبدل سے سبق سیکھنے کے بجائے اس سے جلتے رہتے تھے۔ عبدل کو ان لالچی اور منافع خور تاجروں کی کوئی پروا نہیں ہوتی تھی۔ وہ اپنے کام سے مطلب رکھتا تھا اور خدا سے دُعا کرتا تھا۔ میرے خدا تو مجھے ہمیشہ ایمان داری کے راستے پر مضبوطی سے قائم رکھ۔

عبدل کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام احمد تھا۔ وہ اپنے باپ کا پوری طرح سے ہاتھ بٹاتا تھا۔ عبدل کرتا یہ تھا کہ پھل اور اناج قریبی جزیروں پر فروخت کر کے وہاں سے دست کاری، آرائش و زیبائش کا سامان اور ریشمی کپڑا خرید کر مختلف ملکوں میں فروخت کر کے آتا تھا۔ احمد نے بھی باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس کاروبار کو نہ صرف اچھی طرح سمجھ لیا تھا بلکہ اس میں تجربہ اور مہارت بھی حاصل کر لی تھی۔ ایک طرح سے اس نے اپنے باپ کا کاروبار سنبھال لیا تھا۔

عبدل کے دوسرے بیٹے کا نام شجاع تھا۔ شجاع کو دن بھر پتنگیں اُڑاتے اور آوارہ لڑکوں کے ساتھ مل کر کھیلنے کے سوا کوئی اور کام نہیں تھا، حال آنکہ وہ بہت ذہین اور ہوشیار تھا۔ عبدل کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا تھا کہ اس کا ذہین بیٹا اپنی ذہانت اور قیمتی وقت فضول کاموں میں ضائع کر رہا ہے۔ عبدل چوں کہ بہت بوڑھا اور کم زور ہو گیا تھا۔ اب وہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ جہاز پر سفر کر کے کاروبار کر سکے۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ شجاع اپنے بڑے بھائی کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو جائے۔ وہ اپنے بیٹے کی طرف سے بڑا فکر مند اور پریشان رہتا تھا۔ اس نے شجاع کو کتنی ہی بار سمجھایا مگر اس کی سمجھ

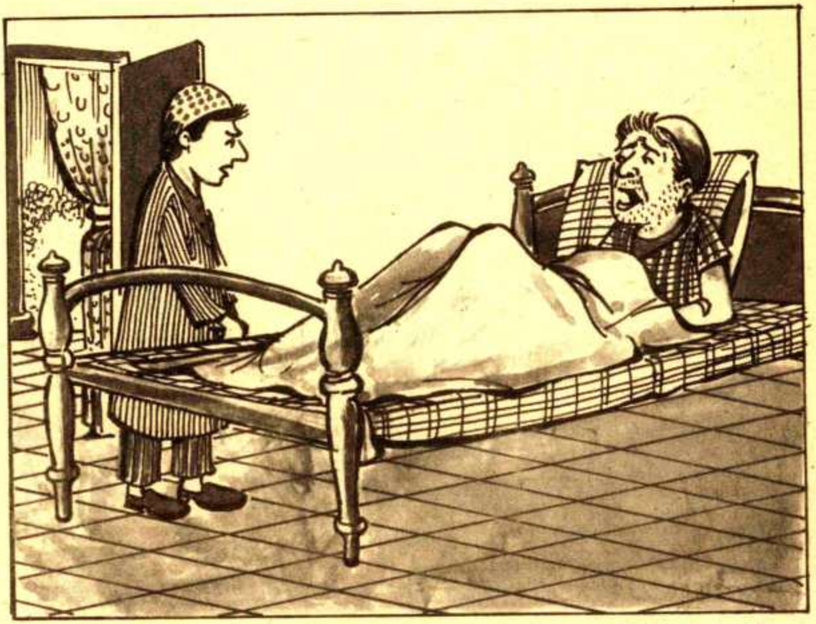

ہیں باپ کی بات نہیں آتی تھی ۔

ایک روز عبدل جھوٹ موٹ کا سخت بیمار بن گیا۔ اس نے اپنے بیٹے شجاع کو بُلا کر پوچھا، "تم میرے مرنے کے بعد کیا کرو گے؟ کیا اسی طرح آوارہ گردی کرتے رہا کرو گے؟ معلوم نہیں میں کس گھڑی اور کس دَم مر جاؤں۔ کیا مرتے ہوئے اپنے دل میں یہ ملال لے کر مَر جاؤں کہ میرا بیٹا شجاع ناکارہ اور آوارہ ہے؟"

باپ کی باتیں سُن کر شجاع کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اسے زندگی میں پہلی بار بڑی شرمندگی اور ندامت محسوس ہوئی تھی۔ وہ چپ چاپ کھڑا باپ کی باتیں سنتا رہا۔ عبدل نے اسے خاموش پا کر سمجھایا، "دیکھو بیٹے! اسی شخص کی عزت کی جاتی ہے جو محنت کر کے اپنی روزی کماتا ہے۔ اگر تم اسی طرح آوارہ لڑکے بنے رہے تو میرے مرنے کے بعد تمھارا بڑا بھائی تمھیں گھر سے نکال دے گا۔ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ گے تو تمھارا بھائی تمھاری دل و جان سے عزت کرے گا۔"

شجاع نے اپنے باپ کی باتیں سن کر کہا، "ابّا جان! مجھے معاف فرما دیجیے۔ میں سخت نادم ہوں۔ اب

آپ کو شکایت کا کوئی موقع نہیں دوں گا۔ اِن شاء اللہ ایک نیک اور شریف لڑکا بن کے دکھاؤں گا۔ میں نے اب تک آپ کا نام بہت بدنام کیا ہے۔ اب میں آپ کا نام خوب روشن کروں گا۔"

پھر ایک روز شجاع چند ملازمین کو لے کر اناج کی بوریاں ایک جہاز پر لدوا کر تجارت کی غرض سے چل دیا۔ ایک دُور دراز جزیرے پر پہنچ کر سارا اناج کم منافع پر بیچ دیا۔ ان دنوں اناج بوریوں میں دیا جاتا تھا تو اس کے بدلے اتنی ہی خالی بوریاں واپس لے لی جاتی تھیں۔ شجاع نے وہ تمام خالی بوریاں بڑی حفاظت سے جہاز کے ایک محفوظ گوشے میں رکھوا دیں، تاکہ سمندر کے نمکین پانی سے وہ خراب نہ ہو جائیں۔ موسم بارش اور طوفان کا تھا۔ کسی بھی وقت بارش ہو سکتی تھی۔

شجاع نے اسی جزیرے سے ریشمی کپڑا اور سِلے سلائے کپڑے خریدے۔ پھر وہ ایک قریبی ملک کی طرف چل پڑا۔ اس کے باپ نے بتایا تھا کہ اس ملک میں تہوار منایا جانے والا ہے۔ لہٰذا وہاں کپڑا اور ملبوسات ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جائیں گے۔ ساتھ ہی باپ نے اسے سخت تاکید کی تھی کہ زیادہ منافع کمانے کی ہوس نہ کرنا۔

سمندر میں رات اچانک زبردست طوفان آگیا۔ طوفان ایسا شدید تھا کہ شجاع اور اس کے ملازمین کو اپنی اپنی جانیں بچانا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ وہ سامان کیسے بچاتے۔ پھر جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ جہاز ہچکولے کھانے لگا تو سارا سامان سمندر کی ان بڑی بڑی لہروں کے ساتھ بہ گیا جو عرشے پر رکھا ہوا تھا۔ لہریں عرشے پر آ آ کر سامان کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ صبح کے قریب طوفان تھما تو شجاع نے دیکھا کہ سامان تو بالکل نہیں بچا ہے۔ البتہ اس کے ملازمین کی جانیں بچ گئی ہیں۔ اس نے سب سے پہلے سجدۂ شکر ادا کیا کہ خدا نے ملازمین کی جانیں اور اس کی زندگی محفوظ رکھی۔ مال کا کیا ہے، وہ تو پھر خدا دے دے گا۔ اگر خدانخواستہ کسی ملازم کی جان چلی جاتی تو وہ اس کے گھر والوں کو کیا جواب دیتا۔ خدا نے اس کی عزت رکھ لی تھی۔

ملازمین نے سامان کے طوفان کی نذر ہو جانے پر اس سے بڑے افسوس کا اظہار کیا تو شجاع نے جواب دیا "میرے باپ نے مجھے نصیحت کی ہے کہ کسی وجہ سے تم کسی امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہو جاؤ تو گھبرانا نہیں۔ اسے خدا کی مصلحت سمجھنا۔ بس خدا کی ذات پر بھروسا کرنا اور اس سے دعا کرتے رہنا کہ وہ ہمارے حق میں بہتری کرے۔ مجھے میرے سرمایہ لُٹ جانے کا افسوس نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم سب کی جانیں خدا نے محفوظ رکھیں۔"

وہ دو دن تک سمندر میں راستہ بھٹکتے رہے ۔ بھوکے پیاسے بھی رہے ۔ انھیں نہ تو کوئی ساحل نظر آرہا تھا اور نہ کوئی جزیرہ ۔ وہ لوگ سخت پریشان تھے ۔ شجاع خدا سے گڑگڑا کے دعا مانگ رہا تھا کہ انھیں خیر و عافیت سے اپنے وطن پہنچا دے ۔

جہاز ہوا کے رُخ پر آپ ہی آپ چلا جا رہا تھا۔ شجاع اور اس کے ملازمین رات ہوتے ہی عرشے پر بھوک و پیاس سے نڈھال ہو کر لیٹ گئے تھے ۔ رات تو کسی نہ کسی طرح کٹ گئی ۔ آخری پہر ان سب کی آنکھ لگ گئی تھی۔ علی الصباح شجاع کی آنکھ کسی شور کی وجہ سے کُھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ اس کے چند ملازمین خوشی سے ناچ رہے ہیں ۔ وہ ہڑبڑا کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ چند میل کے فاصلے پر انھیں ایک غیر آباد جزیرہ نظر آرہا تھا، لیکن ان کا جہاز جیسے جیسے جزیرے کے قریب ہوتا گیا انھیں جانور اور پرندے دکھائی دیے ۔ بہت ساری بھیڑ بکریاں چَرتی ہوئی نظر آئی تھیں ۔ لہلہاتے ہوئے کھیت اور سرسبز و شاداب درخت نظر آرہے تھے ۔ جہاز کو دیکھ کر جزیرے کے لوگ کنارے پر آگئے تھے اور انھیں ہاتھ ہلا ہلا کر خوش آمدید کہہ رہے تھے ۔

جب وہ لوگ جزیرے پر پہنچے تو ان کا بڑا پُرتپاک استقبال کیا گیا۔ ان سب کی دودھ اور

پھلوں سے خوب تواضع کی گئی۔ یہ جزیرہ چند خاندانوں پر آباد تھا۔ وہاں انھیں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جو خرید و فروخت کے قابل ہو۔ شجاع نے چند گھنٹے قیام کے بعد ان لوگوں کی مہمان نوازی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ پھر ایک بوڑھے شخص کے بتائے ہوئے راستے پر جہاز لے کر روانہ ہو گئے۔

کوئی تین چار گھنٹے کے بعد انھیں ایک جزیرہ نظر آیا۔ اس جزیرے پر چھوٹے چھوٹے سفید پہاڑی ٹیلے نظر آرہے تھے، جو میلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ منظر ان لوگوں کے لیے حیرت انگیز تھا۔ جہاز کو اس جزیرے پر لنگر انداز کر دیا گیا۔ یہ جزیرہ غیر آباد، سنسان اور ویران پڑا تھا۔ اس جزیرے کی مٹی بھی سفید تھی۔ شجاع نے اپنا شک دُور کرنے کے لیے جہاز سے اُتر کر ایک ٹیلے کے پاس پہنچ کر اس کی مٹّی چکھی تو اس کا خیال درست ثابت ہوا۔ یہ نمک تھا۔

شجاع نے سوچا کہ جہاز خالی لے جانے سے تو بہتر ہے کہ یہ نمک ان خالی بوریوں میں کیوں نہ بھر لی جائے جو جہاز کے محفوظ گوشے میں رکھی ہوئی ہیں۔ نمک ایسی چیز ہے جو کہیں بھی آسانی سے فروخت ہو سکتا ہے۔ اس سے تھوڑی بہت آمدنی ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر اس نے ملازمین کو حکم دیا کہ بوریوں میں نمک بھر لی جائے۔ شام تک بوریوں میں نمک بھر بھر کر انھیں جہاز پر لادا جاتا رہا۔ جب ملازمین تھک گئے تو شجاع نے کام بند کرا دیا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ان لوگوں نے ان پھلوں سے اپنا پیٹ بھرا جو جزیرے والوں نے چلتے وقت ٹوکریوں میں بھر بھر کر دیا تھا۔ پھر رات کے وقت وہ چل پڑے۔

صبح ہوئی تو شجاع نے دیکھا کہ ان کا جہاز ایک ملک کے قریب سے گزر رہا ہے۔ اس کے ساحل پر چھوٹی بڑی کشتیاں نظر آرہی تھیں۔ جو شہر نظر آرہا تھا وہ بہت بڑا دکھائی دے رہا تھا۔ شجاع نے دل میں سوچا کہ بڑا شہر ہے، بڑی آبادی ہے۔ بہت ممکن ہے سارا نمک اسی شہر میں فروخت ہو جائے۔ یہ سوچ کر اس نے جہاز کو ساحل پر لنگر انداز کرنے کا حکم دیا۔ جب جہاز لنگر انداز ہو گیا تو اس نے ایک تھیلی میں تھوڑا سا نمک لیا اور شہر میں داخل ہوا۔ اسے طعام خانہ (ہوٹل) دیکھ کر بھوک لگی۔ اس نے طعام خانے میں پہنچ کر کھانا منگوایا وہ پھیکا تھا۔ طعام خانے کے ملازم سے اس نے پھیکے کھانے کی وجہ دریافت کی تو وہ ہنس کر بولا "اے اجنبی! ہم صدیوں سے ایسا ہی کھانا کھاتے آرہے ہیں۔"

یہ سنتے ہی فوراً ہی شجاع کے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ اس نے سب کی نظریں بچا کر اپنے کھانے میں اندازے سے نمک ملایا تو کھانے کا مزہ دوبالا ہو گیا۔ ایسا شان دار کھانا اس نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں کھایا تھا۔ یہاں کے لوگ کھانا بہت اچھا پکاتے تھے۔ مگر نمک نہیں ملاتے تھے۔ وہ جانتے ہی نہ تھے کہ نمک کیا ہوتا ہے۔ اس نے سوچا کہ اگر ان لوگوں کو نمک کا مزہ چکھا دیا جائے تو وہ اس کا نمک اچھے داموں سے خرید لیں گے۔ پھر وہ نمک کی خوبیوں سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔

وہ گھومتا پھرتا بھرے بازار میں پہنچا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ یہاں ہیرے جواہرات اور موتیوں سے دُکانیں بھری ہوئی ہیں۔ سونا بھی بڑی مقدار میں تقریباً ہر ایک کے پاس موجود ہے۔ اس ملک کی زمین جیسے سونا اُگلتی تھی اور دریا کی تہ میں ہیرے، جواہرات اور موتیاں بھرے ہوئے تھے۔ پھر یہ کہ سب کچھ بے حد سستا بھی تھا۔ اس نے بھرے بازار کے چوک میں کھڑے ہو کر آوازیں لگا لگا کر ایک بہت بڑے ہجوم کو اکٹھا کر لیا۔ پھر اس نے اپنی مٹھی سے نمک نکال کر انھیں دکھایا اور بولا، "لوگو! یہ دیکھو میں تم لوگوں کے لیے ایک ایسی چیز لایا ہوں جو ہیرے جواہرات سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ اس کے سامنے دنیا کی کوئی چیز کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہے۔"

لوگ اس کی باتیں سُن کر ہنسنے لگے: ایک نے کہا، "یہ اجنبی نوجوان پاگل دکھائی دیتا ہے۔"

دوسرا حقارت سے بولا، "یہ سفید مٹّی کیا حقیقت رکھتی ہے۔ ہمارے ہاں کی مٹّی اس سے اچھی ہے۔"

تیسرا کہنے لگا، "یہ شخص سمجھ رہا ہے کہ ہم سفید مٹی دیکھ کر بے وقوف بن جائیں گے۔ یہ خود سب سے بڑا بے وقوف ہے۔"

ہجوم میں سب ہی اس پر ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے۔ اس کا کھُلے عام مذاق اُڑایا جا رہا تھا۔ اس نے بہ دقّت تمام سب کو چُپ کرا کے کہا، "آپ لوگوں کو اس کی خوبیوں کا علم نہیں ہے۔ آپ لوگ میری بات کی سچائی کا اندازہ اس طرح کر سکتے ہیں کہ میں اس کی خوبی آپ لوگوں پر ظاہر کر دوں۔ آپ لوگ ایسا کریں کہ اپنے اپنے گھروں سے اپنا اپنا کھانا لے کر آئیں۔"

"وہ کس لیے؟" ایک نے پوچھا۔

ہجوم میں سے کسی نے جواب دیا، "غریب بھوکا ہو گا۔ کھانے کے لیے منگوا رہا ہے۔"

شجاع کے بار بار درخواست کرنے پر چند لوگ اپنے اپنے گھروں سے اپنے اپنے کھانے لے کر آئے۔ شجاع نے ان کے کھانوں میں اندازے سے نمک ملایا اور کہا، "اب آپ یہ کھانا کھا کر دیکھیں۔"
وہ لوگ سفید مٹی کو کھانے میں ملا ہوا دیکھ کر بڑے حیران ہوئے۔ اس کھانے کو کھاتے ہوئے جھجک رہے تھے اور ایک دوسرے کی شکلیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ انھیں مٹی ملا کھانا، کھانا بڑا عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ آخر ایک نوجوان نے ہمّت کر کے اُسے چکھا۔ جب وہ کھانا چکھ رہا تھا تب سیکڑوں نگاہیں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی اس نوجوان نے کھانا چکھا اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا لذیذ کھانا نہیں کھایا۔ پھر کیا تھا، وہ نوجوان کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑا جیسے کئی دِنوں کا بھوکا ہو۔

جب لوگوں نے اس نوجوان کو ایک ندیدے کی طرح کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو ان لوگوں نے بھی اپنے اپنے کھانے کو چکھا۔ بس پھر تو وہ لوگ بھی اپنا اپنا کھانا ندیدوں کی طرح کھانے لگے۔ اب اور لوگوں نے بھی کھانا چکھنے کی غرض سے ہاتھ مارا۔ ان لوگوں نے جب کھانا چکھا تو آپس میں چھین جھپٹ ہونے لگی۔ لوٹ مار کا سا سماں بندھ گیا۔ شجاع ایک طرف کھڑا مسکراتا ہوا یہ تماشا دیکھتا رہا۔ بہت سے لوگ اپنے گھروں سے اور کچھ لوگ طعام خانوں سے کھانے لے کر آئے۔ شجاع ان کے کھانوں میں نمک ملا کر دیتا رہا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارے شہر میں سفید مٹی کی حیرت انگیز خوبی کی کہانی پھیل گئی۔ بادشاہ کے کانوں تک اس کی خبر پہنچی۔ بادشاہ نے شجاع کو طلب کر کے نمک ملا کھانا کھا کر اس سے کہا، "تم میری حکومت اور خزانہ لے لو اور اس کے بدلے مجھے یہ سفید مٹی دے دو۔"
شجاع نے جواب دیا، "میں یہ سفید مٹی ہر ایک کو سونے اور ہیرے جواہرات کے عوض تول کر دوں گا۔"

بادشاہ اور شہر کے لوگوں نے اس کی یہ شرط مان لی۔ شجاع نے ہر ایک کو سونے اور ہیرے جواہرات کے عوض نمک تول تول کر دیا۔ اس کے پاس پھر بھی نمک کی چند بوریاں بچ گئی تھیں۔ ایک طرف غریبوں کا ہجوم کھڑا ہوا حسرت بھری نظروں سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا، جو خوشی خوشی نمک لے کر اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ پھر شجاع نے ان لوگوں میں نمک نہ صرف مفت تقسیم کیا بلکہ کچھ سونا، موتی اور ہیرے جواہرات بھی تقسیم کر دیے۔ یہ دیکھ کر ایک ملازم نے کہا، "حضور، آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟"
شجاع نے جواب دیا، "میرے پاس منوں وزن سونا، ہیرے جواہرات اور موتیاں جمع ہو چکے ہیں۔

اتنی ساری دولت مجھے بگاڑ سکتی ہے، اس لیے میں نے ان غریبوں میں تقسیم کر دی ہے۔ میں نے تم لوگوں کے لیے کچھ بچا کر رکھا ہے۔ اپنے لیے اتنا رکھا ہے جتنا مجھے نقصان ہوا تھا۔ خدا دولت اس لیے دیتا ہے کہ ہم دوسروں کو فیض پہنچائیں۔ اس لیے میں نے اس کے حکم پر عمل کیا ہے۔"

جب اس جزیرے کے بادشاہ کو شجاع کی سخاوت اور خوبیوں کا علم ہوا تو اس نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ اور حکومت سونپ کر عبادتِ الٰہی میں دن گزارنے لگا۔

صحّت کی الف بے

مسعود احمد برکاتی

کیا کوئی پھول کی خوش بُو اور رنگ جُدا کر سکتا ہے؟ جس طرح خوش بُو اور رنگ یک جا ہوتے ہیں اسی طرح کردار اور صحت بھی یک جان ہوتے ہیں جس طرح کردار کی بنیاد چند بنیادی صفات مثلاً سچائی دیانت وغیرہ پر قایم ہے۔ صحت کے اصول سادہ اور آسان ہیں صرف انھیں ذہن نشین کرلنے اور اُن پر عمل کی ضرورت ہے۔ صحت کی الف بے میں صحت و تن درستی کی بنیادی باتیں آسان اور دل کش انداز میں پیش کی گئی ہیں بچّوں کے مشہور ادیب کے قلم سے۔

باتوں باتوں میں کام کی باتیں، بچّوں کے علاوہ بڑوں کے لیے بھی مفید۔ جو شخص بھی یہ کتاب پڑھے گا وہ اپنی ایک قیمتی دولت کی قدر اور حفاظت کر سکے گا۔

قیمت: ۵ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

نغمۂ امن

قمر ہاشمی

دو جنگوں کا بوجھ اُٹھائے
خون میں دنیا کو نہلائے
سمٹے بیون صدی کے سائے
خوشیوں کے پھیلا دو جال
آؤ منائیں امن کا سال

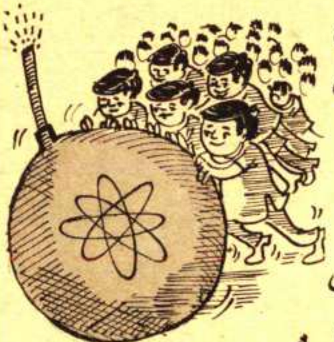

کیا کر لیں گے ایٹم بم
ہم بچّے ہیں تازہ دَم
آنے نہ دیں گے رنج و غم
اب نہیں ہو گا کوئی نڈھال
آؤ منائیں امن کا سال

پاک وطن کے سارے جوان
لے کے قلم کے تیر کمان
میٹ ہی دیں گے غم کے نشان
چھیل تو دی ہے غم کی چھال
آؤ منائیں امن کا سال

سَن چھیاسی کا سورج نکلا
امن و اماں کا جادو پھیلا
جاگا افرو ایشیا جاگا
لاکھوں پر پرچم ایک ہے ڈھال
آؤ منائیں امن کا سال

دُم دار ستارہ

سیّد ندیم یوسف، کراچی

٢٠ فروری ٨٦ء سے ہیلی کا دُم دار ستارہ پاکستان میں بغیر کسی آلے کے عام لوگوں کو بھی نظر آسکے گا۔
.... اپریل میں یہ اپنی چمک کے باعث چکاچوند پیدا کر سکے گا اور آسمان پر ٹوٹتے ہوئے تاروں کی بارش نظر آئے گی۔

ہمارے اطراف میں پھیلی ہوئی یہ لامحدود کائنات اپنے دامن میں بے شمار رازوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ صدیوں سے آسمان پر چاند اور تارے یونہی چمکتے رہے ہیں اور انسان کے لیے تفریح مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں تحقیق و جستجو کا جذبہ اُبھارتے ہیں۔

ہمارے نظامِ شمسی میں اکثر و بیش تر اہم نوعیت کے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ چاند گرہن اور سورج گرہن سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ آج کل ہیلی کے دُم دار ستارے کا ذکر بہت سُنا جا رہا ہے جو کہ جنوری ١٩٨٦ء سے مئی ١٩٨٦ء تک نظر آئے گا اور ایک طرف تو اپنی چمک دار دُم کے باعث تفریح مہیا کرے گا تو دوسری طرف اسے نحوست کا نشان بھی سمجھا جا رہا ہے۔ آئیے ہم دُم دار ستاروں کے متعلق کچھ معلومات حاصل کریں۔

لفظ "دم دار ستارہ" جسے انگریزی میں کومٹ (COMET) کہتے ہیں دراصل یونانی لفظ KOMETES ہے جس کا مطلب "لمبے بال" ہے۔ ہمارے نظام شمسی میں سورج، نو سیاروں، ذیلی سیّاروں یا چاند وغیرہ کے ساتھ ساتھ بے شمار دم دار ستارے بھی موجود ہیں۔ دم دار ستارہ دراصل ایک طرح کا سیّارہ ہی ہے جو سورج کے گرد بہت طویل اور بیضوی مدار میں چکّر لگاتا ہے۔ اس کا مدار اس طرح کا ہوتا ہے کہ سورج مدار کے ایک سرے کے قریب ہوتا ہے۔ زمین سے دُم دار ستارے اس وقت نظر آتے ہیں جب وہ اپنے مدار کے بعید ترین حصّے سے روانہ ہو کر سورج کے قریب پہنچتے ہیں۔ اور بہ تدریج زیادہ روشن ہوتے جاتے ہیں۔ یہ بہ ذات خود روشن نہیں ہیں بلکہ سورج کی روشنی کو منعکس

کر کے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

دم دار ستارے گرد و غبار کے ذرات، گیسوں اور مختلف اقسام کی برف کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ جب ہمیں کوئی دم دار ستارہ اپنی مکمل حالت میں نظر آتا ہے تو اس کے تین حصے ہوتے ہیں:-

۱۔ مرکزہ (NUCLEUS) جو ٹھوس اور چھوٹا ہوتا ہے اور اس کا قطر چند کلو میٹر سے زیادہ نہیں ہوتا۔

۲۔ کوما (COMA) مرکزے کے چاروں طرف ہزاروں کلو میٹر تک ایک بادل سا پھیلا ہوا ہوتا ہے جسے کوما یا دُم دار ستارے کا سر کہتے ہیں۔

۳۔ دُم (TAIL) جو بہت لمبی اور چمکتی ہوئی ہوتی ہے اور اس کی لمبائی کروڑوں کلو میٹر تک پہنچتی ہے۔

دم دار ستاروں کی پیدائش اور ان کے ماخذ کے متعلق بہت سے نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ یہ ہمارے نظامِ شمسی کے دُور دراز علاقوں سے اپنا سفر شروع کرتے ہیں۔ شروع میں ان کی رفتار بہت کم ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے۔ ستارے کا زیادہ تر مادّہ اس کے مرکزے میں مجتمع ہوتا ہے۔ جب کوئی دم دار ستارہ سورج سے بہت دُور ہوتا ہے تو وہ صرف مرکزے پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ سائنس دانوں کے خیال میں مرکزہ ایک ایسا کُرہ ہے جو جمی ہوئی گیسوں، پانی کی برف، خشک برف اور گرد و غبار کے ذرات وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ جب مرکزہ سورج کے کچھ قریب آتا ہے تو سورج کی حدّت سے مرکزے کی برف پگھلتی ہے اور عمل تبخیر سے گیسوں اور گرد و غبار کا اخراج ہوتا ہے۔ یوں مرکزے کے چاروں طرف ایک بادل اُٹھتا ہے جسے کوما کہتے ہیں۔ کوما بڑھتے بڑھتے ہزاروں کلو میٹر کے قطر میں پھیل جاتا ہے اور یوں ستارہ نظر آنے لگتا ہے۔ دم اس وقت وجود میں آتی ہے جب ستارہ سورج سے سات تا چھے کروڑ میل کے فاصلے پر پہنچ جاتا ہے۔ اس پر سورج کے بار دار اجزا کی مسلسل بوچھاڑ ہوتی رہتی ہے۔ اور شمسی ہواؤں کے دباؤ اور حرارت کی وجہ سے ستارے کی گیس اور گرد کے ذرات ایک دہکتی ہوئی دُم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، جو ہمیشہ سورج کی مخالف سمت میں بنتی ہے۔ دم کی مجموعی کمیت مرکزے کے مقابلے میں برائے نام ہوتی ہے، لیکن اس کی لمبائی بڑھتے بڑھتے چھے کروڑ میل (زمین اور سورج کے درمیانی فاصلے کا دو تہائی) تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ ستارے کی آمد کے وقت دُم اس کے پیچھے ہوتی ہے مگر واپسی کے وقت آگے ہو جاتی ہے۔ جب یہ سورج کے گرد چکر لگا کر واپس ہوتا ہے تو

دم مختصر ہوتے ہوتے غائب ہو جاتی ہے اور اس کا سارا مادّہ مرکزے سے علاحدہ ہو کر خلا میں غائب ہو جاتا ہے۔

دم دار ستاروں کے ضمن میں یہ بات بڑی دل چسپ ہے کہ ان کا حجم (سورج کو چھوڑ کر) نظام شمسی کے ہر سیارے سے زیادہ ہو جاتا ہے مگر ان کی کمیت بہت کم ہوتی ہے۔ چناں چہ ہزاروں دُم دار ستارے بھی ہوں تو ان کی مجموعی کمیت ہماری زمین سے کم ہوگی مگر ان میں سے ہر ایک کی لمبائی اور چوڑائی ہماری زمین سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ بعض دم دار ستارے تو اتنی بڑی جسامت کو پہنچ جاتے ہیں کہ زمین اور سورج کے درمیانی خلا سے نہیں گزر سکتے۔

دم دار ستاروں کی مختلف جماعتوں میں درجہ بندی کی گئی ہے۔ اب تک ماہرینِ فلکیات تقریباً ایک ہزار دم دار ستارے دریافت کر چکے ہیں۔ بعض دُم دار ستارے کافی مشہور و معروف ہیں۔ مارچ ۱۹۷۳ء میں "کہوٹک کا دم دار ستارہ" نظر آیا تھا۔ "اینکے (ENCKE) کا دم دار ستارہ" ہر ۳.۳ سالوں کے بعد نظر آتا ہے۔ اسی طرح "ہیلے کا دُم دار ستارہ" ہے جو سب سے زیادہ روشن، چمک دار اور خوب صورت ہے اور تقریباً ہر ۷۶ سالوں کے بعد نمودار ہوتا ہے۔ پچھلی بار یہ ۱۹۱۰ء میں نظر آیا تھا اور اب ۱۹۸۶ء میں پھر نظر آئے گا۔

ہیلی کے دم دار ستارے کا نام برطانیہ کے دوسرے شاہی فلکیات داں ایڈمنڈ ہیلی (EDMOND HALLEY) (پیدائش ۱۶۵۶ء۔ انتقال ۱۷۴۲ء) کے نام پر رکھا گیا ہے جس نے اسے ۱۶۸۲ء میں دیکھا اور اس کے مدار کا حساب لگا کر بتایا کہ اسے ۱۶۰۷ء، ۱۵۳۱ء، ۱۴۵۶ء اور ۱۳۷۸ء میں بھی دیکھا گیا ہوگا۔ اس نے یہ بھی پیشین گوئی کی کہ یہ ستارہ ۱۷۵۸ء میں پھر نمودار ہوگا۔ یہ بات سچ ہوئی اور اسی سال کرسمس (۲۵۔ دسمبر) کے موقع پر یہ پھر نمودار ہوا۔ ہیلی نے پہلی بار دم دار ستارے کی حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کیا۔

۱۷۵۸ء کے بعد جب یہ ستارہ نومبر ۱۸۳۵ء میں دوبارہ نظر آیا تو یہ افواہ اُڑی کہ بس اب یہ زمین سے ٹکرا ہی جائے گا۔ پھر تقریباً ساڑھے ۷۴ سالوں کے بعد ہیلی کا دم دار ستارہ اپریل ۱۹۱۰ء میں واپس لوٹا اور مئی کے آخر تک نظر آتا رہا۔ اس موقع پر بھی بہت سے لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ ستارے کی دُم سے مہلک گیسیں خارج ہوں گی اور بس اب دنیا کا آخری دن آنے ہی والا ہے۔

دراصل دم دار ستاروں کو کم علمی کی وجہ سے ہمیشہ سے منحوس سمجھا جاتا رہا ہے اور تمام انسانی تاریخ

میں یہ خوف و دہشت کی علامت رہے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال اب بھی ہے کہ دُم دار ستارہ ایک آسمانی بلا ہے جو اپنے ساتھ کئی مصیبتیں لاتا ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ ہر دُم دار ستارہ اپنے ساتھ بُری خبر لے کر آیا ہے مگر بڑے واقعات تو ان کی غیر موجودگی میں بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ بہر حال دیکھیے اس دفعہ ہیلی کا دم دار ستارہ اپنے ساتھ کیا خبر لاتا ہے۔ ان شاء اللہ اچھی ہی خبر لائے گا۔

ماہرین فلکیات کئی صدیوں سے ہیلے کے دم دار ستارے کی آمد اور واپسی پر اس کا تفصیلی مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ۱۹۱۰ء میں جب اس نے واپسی کا سفر اختیار کیا تو مختلف سائنسی آلات کے ذریعہ سے جون ۱۹۱۱ء تک اس کا پیچھا کیا گیا۔ اُس وقت تک وہ سورج سے باون کروڑ میل (یا ۸۳ کروڑ ۲۰ لاکھ کلومیٹر) دُور پہنچ چکا تھا۔ پھر وہ بہت چھوٹا ہو گیا اور خلا کی وسعتوں میں گم ہو گیا۔ یہ ستارہ سورج کے گرد چکر لگا کر نیپچون سے کافی آگے پہنچ جاتا ہے اور پھر واپسی کا سفر شروع کر دیتا ہے۔

ہیلی کا دُم دار ستارہ ۱۹۸۵ء کے آخر میں زمین کے مدار کے قریب پہنچا۔ سائنس دانوں نے اعلان کیا کہ یہ ستارہ یکم نومبر ۱۹۸۵ء سے ۳۰ مئی ۱۹۸۶ء تک نظر آئے گا۔ دسمبر ۸۵ء کے آخر میں کچھ روشن ہو گیا۔ ۲۰ فروری ۱۹۸۶ء سے اس ستارے کو عام لوگ بغیر کسی آلے کے روزانہ طلوعِ آفتاب سے نصف گھنٹے قبل اور طلوعِ آفتاب کے ایک گھنٹے بعد تک جنوبی افق پر دیکھ سکتے ہیں۔ مارچ کی درمیانی تاریخوں میں اس کی دم بہت زیادہ لمبی ہو جائے گی اور آسمان کے چھٹے حصے تک پھیلی ہوئی دکھائی دے گی۔ ۱۱ اپریل کو یہ ستارہ زمین سے قریب ترین مقام پر ہوگا، لیکن ان دِنوں یہ زمین کے جنوبی نصف کُرے کے کئی ممالک مثلاً نیوزی لینڈ، ارجنٹائن اور آسٹریلیا وغیرہ میں نمایاں طور پر نظر آئے گا۔ شمالی نِصف کُرے میں (جس میں پاکستان بھی شامل ہے) اس دل فریب دم دار ستارے کو اپریل ۱۹۸۶ء کے آخری چند دِنوں میں زیادہ بہتر طور پر دیکھا جا سکے گا۔ اُس وقت یہ اپنی چمک کے باعث چکا چوند پیدا کر سکے گا اور آسمان پر ٹوٹتے ہوئے تاروں کی بارش سی نظر آئے گی۔ مئی کے مہینے میں یہ واپسی کا سفر شروع کرے گا اور اس کی دُم اس کے آگے ہو گی۔ پھر یہ ستارہ اس وقت نمودار ہو گا جب اکیسویں صدی بھی آدھی سے زیادہ بیت چکی ہو گی۔

آج کا دور "خلائی دور" ہے اور ۱۹۱۰ء کے مقابلے میں سائنس بہت آگے نکل چکی ہے، لہٰذا ہیلی کے دُم دار ستارے کے متعلق تحقیقات کے بہت سے منصوبے بنائے گئے ہیں۔ ماہرین کے کئی گروہ جن کا تعلق امریکا، روس، جاپان اور کئی یورپی ممالک سے ہے، جدید ترین آلات کے ذریعہ

سے دُم دار ستارے کے متعلق تحقیق کر رہے ہیں۔ کمتی خلائی گاڑیوں کو دم دار ستارے کی جانب روانہ کیا جارہا ہے۔ دم دار ستاروں کے متعلق ہماری معلومات وسیع نہیں ہیں تاہم ہیلی کے دم دار ستارے کا تفصیلی مطالعہ فلکیات میں ایک نئے باب کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

مضمون کے اختتام پر ہم ایک دل چسپ بات بتاتے چلتے ہیں۔ مشہور امریکی مزاح نگار مارک ٹوین اس وقت پیدا ہوا تھا۔ جب ۱۸۳۵ء میں ہیلی کے دُم دار ستارے کا گزر ہوا تھا اور جب ۱۹۱۰ء میں یہ ستارہ نمودار ہوا تو مارک ٹوین اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

ابوعلی کا جوتا

(کہانیاں)

مصنف

عبدالحمید نظامی و دیگر

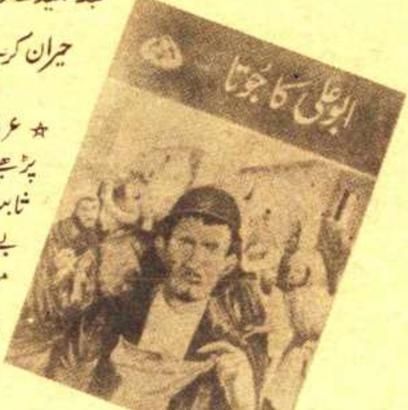

حیران کرنے، دل بڑھانے اور ہنسانے والی نو بہترین کہانیاں ★ عربی ادب سے ایک دل چسپ حکایت پڑھیے۔ ایک شخص کا جوتا اتنا منحوس ثابت ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے بے چارا کئی دفعہ شرمندگی اٹھاتا ہے، مصیبت میں پھنستا ہے اور ایک بار تو جیل بھی جاتا ہے ★ ایک غریب آدمی چڑیا گھر میں ریچھ بن کر روزی کماتا ہے۔ شیر کے خوف سے اُس کا راز افشا ہوجاتا ہے۔ پھر کیا ہوا؟ کتاب میں پڑھیے گا۔ ★ ایک لڑکا جہاز سے گر کر ۲۹ گھنٹوں تک تن تنہا سمندر کی موجوں سے لڑتا رہتا ہے لیکن ہمت نہیں ہارتا ★ اس کے علاوہ ایک آدم خورنی کے شکار کا سچا واقعہ پڑھیے۔ ہر کہانی دوسری سے بڑھ کر دل چسپ ہے۔ قیمت: -/۵ روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی ۱۸

ظالم کی مدد

مرسلہ: وحیدہ عالم، کراچی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! مظلوم کی مدد میں کروں گا، لیکن اس کے ظالم ہونے کی صورت میں کس طرح اس کی مدد کر سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، تم اسے ظلم کرنے سے روک دو۔ یہی اس کی مدد ہے۔

خدائی انصاف

مرسلہ: سید سرفراز احمد، کراچی

جب سے مجھے پتا چلا ہے کہ مخمل کے گدّے پر سونے والوں کے خواب ننگی زمین پر سونے والوں کے خواب سے مختلف نہیں ہوتے اُس وقت سے مجھے خدا کے انصاف پر پورا اعتماد ہو گیا ہے۔ جبران خلیل جبران

چلتی ہوئی کھوپڑی

مرسلہ: فریدہ علی، کراچی

ایک تھا لڑکا۔ وہ پڑھتا تھا ڈاکٹری۔ اس کی جب چھٹیاں ہوئیں تو وہ گھر آیا اور اپنے ساتھ مُردے کی ہڈیاں بھی لایا۔ "مُردے کی ہڈیاں قبر سے نکال کر لایا ہو گا۔" ننھا فہیم ڈر کر بولا۔

"بھئی آگے بولوگے تو کہانی نہیں سنائیں گے، ہاں تو ان ہڈیوں میں ایک سفید سی کھوپڑی تھی۔ ایک دفعہ اندھیری رات کو کسی نے چپکے سے ٹارچ روشن کی اور دیکھا کہ وہی کھوپڑی فرش پر چل رہی تھی۔"

"چل رہی تھی! سچ مچ؟" ننھے نے رضائی میں منھ دبکا لیا۔

"جی ہاں، چل رہی تھی، خوب چل رہی تھی، کبھی اِدھر جاتی تھی اور کبھی اُدھر۔ سب کو جلدی جلدی جگایا، کوئی بندوق تلاش کر رہا ہے۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ پولیس کو اطلاع دو اور کوئی آیت الکرسی پڑھنے میں مشغول ہے۔"

سب جلدی سے بولے، "پھر کیا ہوا؟"

"ہونا کیا تھا، اتنے میں وہ لڑکا بھی جاگ گیا، اپنا جوتا اٹھایا اور کھوپڑی پر دے مارا۔"

"پھر؟" سب خوف زدہ ہو کر بولے۔

"کچھ نہیں۔" ہم نے اطمینان سے جواب دیا۔ "جوتا لگتے ہی کھوپڑی اُلٹی اور اس میں سے ایک چوہا نکل کر بھاگ گیا۔"

— شفیق الرحمٰن

افسانچہ

مرسلہ: نازیہ محفوظ، کراچی

میں آج بہت پریشان تھی۔ مجھے اس کے ہاتھوں کافی شرمندگی اٹھانی پڑی تھی۔ حال آنکہ میں ہمیشہ اسی پر اعتماد کر کے گھر سے نکلتی تھی کہ یہ میرے لیے قابلِ اعتماد ہے اور کبھی دھوکا نہیں دے گا۔ مگر آج اس کی بے وفائی کی وجہ سے میرا کافی وقت ضائع ہوا تھا، لٰہذا اب میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ کل سے میں امتحان ہال میں پرانے اور روشنائی چھوڑنے والے قلم کے بجائے نیا قلم خرید کر امتحان دینے آؤں گی۔

ماں

مرسلہ: معراج یاسمین، ڈیرہ اسماعیل خان

ابّا جی مجھے مارتے تھے تو امی بچا لیتی تھی۔ ایک دن میں نے سوچا، اگر امی پٹائی کریں گی تو ابا جی کیا کریں گے؟ اور یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا ہوتا ہے، میں نے امی کا کہا نہ مانا۔ انھوں نے کہا، بازار سے دہی لادو۔ میں نہ لایا۔ انھوں نے سالن کم دیا۔ میں نے اصرار نہ کیا۔ انھوں نے کہا، کہ پیڑھی پر بیٹھ کر روٹی کھاؤ۔ میں نے زمین پر دری بچھا دی اور اس پہ بیٹھ گیا۔ اور کپڑے بھی میلے کر لیے۔ میرا لہجہ بھی گستاخانہ تھا۔ مجھے پوری امید تھی کہ امی ضرور ماریں گی۔ مگر انھوں نے یہ کیا کہ مجھے سینے سے لگا کر کہا:

"کیوں بہتر دِلوَر! میں صدقے، بیمار تو نہیں ہے تو؟" اُس وقت میرے آنسو تھے کہ رُکتے ہی نہیں تھے۔

— میرزا ادیب

شوقِ مطالعہ

مرسلہ: افضال احمد، کراچی

"تین ماہ کی اس قیدِ تنہائی کی باقی ماندہ صعوبتیں اپنی جگہ، لیکن ایک اذیت جس کا کوئی حل نہ ملا وہ یہ تھی کہ پڑھنے کے لیے کچھ نصیب نہ ہوا، لیکن قدرت بھی بڑی کارساز ہے۔ ایک روز میں پلیٹ دھوتے باہر نکلا تو نل کے پاس کسی بھارتی سپاہی کا پھینکا ہوا لائف بوائے صابن کا کاغذی پیرہن نظر آیا۔ اُسے پلیٹ مانجھنے کے بہانے اُٹھالیا اور نہایت چالاکی سے اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ بیت الخلا میں داخل ہوا تو وہاں رم (شراب) کی خالی بوتل پڑی تھی۔ بے شک بوتل سر بُریدہ تھی، لیکن اس کے سینے پر لیبل ابھی چپاں تھا۔ میں نے اسے گیلا کر کے اُتار لیا اور صابن کے پیرہن سمیت اس متاعِ بے بہا کو بھی اپنے سیل (کوٹھری) میں ساتھ لے آیا۔ جب مطالعے کی بھوک چمکی تو میں نے رم کا لیبل نکال کر پڑھنا شروع کیا:

"بھارت میں ساختہ — مسلح افواج اور سنٹرل پولیس کے افراد کے لیے خاص طور پر تیار کیا گیا۔ منظور شدہ کینٹین کے علاوہ کہیں اور اس کی خرید و فروخت قابلِ تعزیر جرم ہے۔"

میں نے یہ لیبل بار بار پڑھ کر گزر اوقات کی اور شدید خواہش کے باوجود لائف بوائے والا کاغذ اگلے

روز کے لیے رکھ چھوڑا۔ بے شک اسلام اسراف کی اجازت نہیں دیتا۔ ـــــ صدیق سالک

فرمودات اقبال

مرسلہ: محمد نصرت کمال نصرت، دینوٹ

- دل ایک ایسی چیز ہے جو ہر امیر کے پہلو میں نہیں رہتا۔
- قرآن انسان کو زندگی کی تصویر سے آگاہ کر سکتا ہے۔
- ہزار کتب خانہ ایک طرف اور باپ کی نظرِ التفات ایک طرف۔
- جو مسائل انسان نہ حل کر سکے اسے قدرت حل کر دیتی ہے۔
- دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنا قرآن کی رو سے کافری ہے۔
- اگر آدمیت مطلوب ہے تو بنی آدم کا احترام کرو۔

فلسفۂ یونان

مرسلہ: محمد عمران ظہور، ساہی وال

- باوجود قدرت رکھنے کے بدلا نہ لینے میں بڑی حکمت ہے۔ (جالینوس)
- دوستی میں شبہ زہر گھول دیتا ہے۔ (فیثاغورس)
- دنیا میں انسانی زندگی ہوا میں جلتی ہوئی شمع کی طرح ہے۔ (بطلیموس)

لباس کی اہمیت

مرسلہ: ادم فضل، کراچی

ایک مشہور مفکر نے لکھا ہے کہ انسان کی زندگی میں لباس بڑی اہمیت اور جاذبیت رکھتا ہے۔ اچھے لباس سے انسان خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے اور اس کا ذہن ہر وقت بلندی کی طرف مائل ہوتا ہے، جس سے وہ کامیابی سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر آپ خراب یا معمولی لباس میں ہوں تو بہت سے مواقع کھو دیں گے۔ بوسیدہ لباس انسان کو مفلسی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ اگر وہ لوگ چاہیں تو اس ماحول سے اپنے آپ کو الگ کر سکتے ہیں۔ میں نے جن لوگوں کو ترقی کرتے ہوئے دیکھا یہ وہ لوگ تھے، جو لباس کی اہمیت اور نفسیات اچھی طرح جانتے تھے۔

پان کی پچکاری

مرسلہ: شفقت اشرف ملک، گجرات

ہمارے ہاں کے ایک بزرگ ایک دن جنیوا ہوٹل کے باہر سیر کر رہے تھے اور پان کی پچکاریاں مار رہے تھے کہ کچھ بچّوں نے دیکھ لیا۔ اور پولیس کو رپورٹ کر دی کہ "ایک شخص خون تھوک رہا ہے۔" فوراً کانسٹیبل آئے اور کہا، "چلو ہسپتال۔" یہ بہت بھنّائے اور انگریزی میں غصّہ کرنے لگے کہ "میں تو یہ ہوں، وہ ہوں۔ تم مجھے جیل نہیں بھجوا سکتے۔" لیکن جنیوا کے کانسٹیبل بھلا انگریزی کیا جانیں۔ اتفاق سے ایک بھلے مانس کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے صورتِ حال سمجھی اور ان صاحب سے کہا کہ "پانوں کی ڈبیا نکال کر دکھائیں۔"

بڑی مشکل سے چھٹکارا ہوا۔

ـــــ ابنِ انشا

کرنیں

مرسلہ: سعیدہ ناز، کراچی

● قسمت پہیے کی مانند گھومتی ہے۔ کوئی نیچے آتا ہے کوئی اوپر جاتا ہے۔ جب تم اوپر جاؤ تو نیچے والوں کا ہاتھ تھام لو، کیوں کہ اگلے چکر میں تمھیں ان کے سہارے کی ضرورت ہوگی۔

● خاموشی دل کا سکون ہے اور روح کے لیے وہی درجہ رکھتی ہے جو جسم کے لیے نیند۔

● تم عیش میں خدا کو یاد رکھو وہ سختی میں تمھیں یاد رکھے گا۔

● حوصلہ یہ ہے کہ انسان گر کر اس طرح اُٹھے گویا وہ گرا ہی نہیں۔

● نیکی بے شک اچھی چیز ہے، لیکن نیک خیالات اس سے بھی اچھے ہیں۔

جھوٹ اور سچ

مرسلہ: ظاہرہ نذیر راجپوت، باڑہ

ایک جھوٹ چھپانے کے لیے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ گویا جھوٹ برائیوں کی جڑ ہے۔ جھوٹ بولنے والا اپنا وقار کھو دیتا ہے۔ اس کی قدر و منزلت لوگوں کے دلوں سے اٹھ جاتی ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں سچ بولنے سے انسانی وقار اور عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ لوگ ایسے آدمی سے مل کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔

کہاوتیں

مرسلہ: غلام حسین میمن، حیدرآباد

● راستے سے پہلے رفیق تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ (عربی کہاوت)

● دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔ (فارسی کہاوت)

● لوگ مغز کے بجائے چھلکے پر زیادہ جھگڑتے ہیں۔ (جرمن کہاوت)

● بُری آنکھ اچھا نہیں دیکھ سکتی۔ (ڈینش کہاوت)

● احمق سے دوستی کرنا ریچھ کو گلے لگانا ہے۔ (افغانی کہاوت)

● جسے ایسے دوست کی تلاش ہے جس میں کوئی خامی نہ ہو اسے دوست کبھی نہ ملے گا۔ (ترکی کہاوت)

● اگر کوئی کتا تمھیں کاٹے گا تو کیا تم کبھی کتے کو کاٹو گے؟ (ہندستانی کہاوت)

● جو اپنے حالات بدل دیتا ہے وہ اپنی قسمت کو بھی بدل دیتا ہے۔ (اطالوی کہاوت)

● اعلا دماغ کے سو ہاتھ ہوتے ہیں۔ (روسی کہاوت)

● حقیقی دوست سے بڑھ کر کوئی آئینہ نہیں ہے۔ (اسپینی کہاوت)

● جب دو آدمی آپس میں جھگڑیں، سمجھ لو دونوں غلطی پر ہیں۔ (ڈچ کہاوت)

● جیو اور جینے دو۔ (اسکاچ کہاوت)

جھوٹا بہانہ

محمد انوار احمد

برسوں کے جانے پہچانے مُلّا کے ایک دوست پرانے
کام پڑا جو اِک دن ان سے مُلّا پہنچے گھر پر ان کے
دستک جو دی ان کے دَر پر دیکھا انھوں نے جھانک کے باہر
آئے نہ لیکن اُتر کے نیچے مانگ نہ بیٹھیں مُلّا پیسے
نوکر کو ہاں نیچے بھیجا دیکھتے ہی جو ان سے بولا
صاحب تو ابھی نہیں ہیں گھر پر گئے ہوئے ہیں کب سے باہر
مُلّا دیکھ چکے تھے پہلے لیکن بات جتاتے کیسے
یعنی نوکر سچ نہیں بولا گھر میں ان کا دوست ہے بیٹھا
آخر نوکر سے وہ بولے جاؤ کہہ دو تم مالک سے

اب جو کہیں ہو باہر جانا
کھڑکی میں سَر چھوڑ نہ جانا

ہمدرد گھٹّی

بچّوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا

چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹّی نومولود بچّوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے انتہائی خوش ذائقہ ہمدرد گھٹّی بچّوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

ہمدرد اِنسائیکلوپیڈیا

س: بادل حقیقتاً کیا ہیں؟ کس مادے کے بنے ہوئے ہیں اور مختلف رنگ کیسے اختیار کر لیتے ہیں؟

امیر ہاشم، کورنگی

ج: بادل ابخرات کا خزانہ ہوتے ہیں اور اس طرح بنتے ہیں کہ دن بھر کی دھوپ سے سمندروں، جھیلوں اور دریاؤں سے ابخرات اُٹھتے ہیں جو بلندی پر جا کر نمی کی شکل میں ریت اور گرد کے اُن بے شمار ذرات پر جم جاتے ہیں جو ہوا میں ہر وقت اُڑتے رہتے ہیں۔ اس طرح نمی ایک جگہ جمع ہو جاتی ہے۔ اسے ہم بادل کہتے ہیں۔ سورج کی شعاعیں مختلف زاویوں سے بادلوں پر پڑتی ہیں تو وہ مختلف رنگوں میں نظر آتے ہیں۔ سورج کی کرنوں میں سات رنگ چھپے ہوتے ہیں جو قوس و قزح میں نظر آتے ہیں۔ انعطاف کی وجہ سے یہ رنگ ٹوٹ کر الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ ہمیں بادل اُسی رنگ میں دکھائی دیتے ہیں جو انعطاف کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

س: کمپیوٹر ایجاد کرتے وقت سائنس دانوں کے ذہن میں ایسا کون سا خیال تھا جس کے باعث انھوں نے کمپیوٹر ایجاد کیا۔

محمد سلیم تھانوی، کراچی

ج: وقت گزرنے کے ساتھ دنیا کی آبادی اور ہر قسم کا کاروبار بڑھ رہا ہے۔ ایک حساب کتاب کو ہی لے لیجیے جس کے لیے ہمیں گنتی، پہاڑے، جمع تفریق، ضرب تقسیم غرض بہت سے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ اس میں دیر بھی لگتی ہے اور غلطی کا امکان بھی رہتا ہے۔ یہی کام کیلکو لیٹر

سے بڑی جلدی ہو جاتا ہے اور پھر کسی قسم کی غلطی بھی نہیں ہوتی۔ بعض کام ایسے ہیں جو کاغذ، قلم اور حساب کتاب کی مدد سے بھی شاید نہ ہو سکیں۔ مثلاً آپ سے کوئی کہے کہ دو ہزار سال پہلے کے کسی سال کا پورا کیلنڈر بنا لائیے یا ۱۵۵۶ء میں ۵۔ جولائی کو کیا دن تھا۔ بھلا آپ کیسے معلوم کریں گے، لیکن کمپیوٹر ذرا سی دیر میں یہ سب کام کر دے گا۔ سائنس دانوں نے حساب کتاب کو غلطی سے پاک اور آسان بنانے نیز ایک مشین کے اندر دنیا بھر کی معلومات جمع کرنے اور جب چاہیں یہ معلومات نکال لینے کے لیے کمپیوٹر ایجاد کیا۔ وہ انسانوں سے بہتر کام کرتا ہے، کبھی تھکتا نہیں اور بہت سے آدمیوں کا کام تھوڑی سی دیر میں کر دیتا ہے۔ ٹیلے فون، بجلی اور گیس کے بل ہی لے لیجیے جو آج کل کمپیوٹر کے ذریعے سے تیار کیے جاتے ہیں۔ دیکھیے کیسے صاف ستھرے، مفصل اور غلطیوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اس قسم کے تھکا دینے والے کام کرنے کے لیے کمپیوٹر ایجاد کیا گیا۔

س : کیا گرگٹ زہریلا ہوتا ہے؟ اگر زہریلا ہوتا ہے تو یہ انسان کو کس طرح نقصان پہنچاتا ہے؟
عبداللہ زکریا، کورنگی

ج : گرگٹ، چھپکلی وغیرہ اس وقت تک نہیں کاٹتے جب تک دب نہ جائیں۔ جس طرح ہم اُن سے گھبراتے ہیں، اسی طرح وہ بھی ہم سے بچتے ہیں۔ گرگٹ ایک حد تک زہریلا ہوتا ہے۔ اگر کاٹ لے تو انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے، لیکن وہ عام طور پر کاٹتا نہیں اور انسان کے خوف سے الگ رہتا ہے۔

س : فضا میں ریڈیو اور ٹی وی کی لہریں موجود رہتی ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ وہ آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتیں اور ریڈیو اور ٹی وی کی نشریات میں خلل نہیں پڑتا؟ محمد شاہد اقبال صدیقی، کراچی

ج : اس لیے کہ ان لہروں کا طولِ موج ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ کسی بھی لہر کے دو اُٹھے ہوئے یا گرے ہوئے حصّوں کا درمیانی فاصلہ طولِ موج (ویو لینگتھ = WAVE LENGTH) کہلاتا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلے وژن پروگرام قطعی مختلف لہروں پر نشر کیے جاتے ہیں، اس لیے وہ آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔

س: زرعی اشیا مثلاً چاول اور گندم وغیرہ میں کیڑے کس طرح پڑ جاتے ہیں جب کہ وہ بالکل خشک ہوتے ہیں؟
محمد علی، سکھر

ج: چاول اور گیہوں غذائی اشیا ہیں، یعنی ان میں وہ چیز بھری ہوتی ہے جو کھائی جاتی ہیں۔ نمی تھوڑی بہت ہوا سے بھی آجاتی ہے۔ غذائی مواد کیڑے پیدا کرنے کا باعث ہے، لیکن جلد ایسا نہیں ہوتا۔ اگر یہ چیزیں مدّت تک پڑی رہیں تب اُن میں کیڑے پڑتے ہیں۔

س: کیا چائے پینا صحت کے لیے مضر ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟
ضیا حسین، کراچی

ج: چائے میں یقیناً ایک مادّہ ایسا ہوتا ہے جو اگر زیادہ مقدار میں ہمارے معدے میں آئے تو صحت کے لیے مُضر ثابت ہوگا، جیسے سگرٹ کا معاملہ ہے، لیکن اگر چائے کو اعتدال کے ساتھ پیا جائے مثلاً دن بھر میں ایک دو پیالی سے تو صحت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ یاد رکھیے زیادتی ہر چیز کی بُری ہوتی ہے

س: اگر ہم پانی میں شکر یا نمک ڈال دیں تو اس کی سطح اونچی کیوں نہیں ہوتی؟
محبوب عالم شاہین، ہارون آباد سٹی

ج: پانی کے سالمات یا مالی کیول کے درمیان بہت سی جگہ خالی رہتی ہے۔ جب ہم پانی میں پسا ہوا نمک یا باریک شکر ڈالتے ہیں تو ان چیزوں کے ذرات پانی کے سالمات کے درمیان خالی جگہ لے لیتے ہیں اور پانی کی سطح بلند نہیں ہوتی۔

س: مواصلاتی سیارہ کس طرح کام کرتا ہے؟
سیدہ حمزہ علی نقوی، کراچی

ج: جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مواصلاتی سیارے مختلف پیغامات اور ٹیلے وژن پروگرام وغیرہ کو تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بلندی پر ہونے کی وجہ سے زمین کا خم اس کے راستے میں حائل نہیں ہوتا اور زمین کے ایک حصّے کے پیغامات اور پروگرام موصول کر کے انھیں دوسرے حصّے میں نشر کر دیتا ہے۔ اس طرح سے آپ دُور دراز مقامات کے ساتھ ٹیلے فون پر گفت گو کر سکتے ہیں اور وہاں کے ٹیلے وژن پروگرام بھی دیکھ سکتے ہیں۔

نونہال مصوّر

ذوالفقار علی پٹھان ، لاڑکانہ سندھ

محمد اسماعیل عبدالعزیز، کراچی

شبانہ صدیقی ، لطیف آباد

رحمہ مجید، لطیف آباد

مونا انجم چوہدری، راول پنڈی

سُلطان کی سائکل

میرزا ادیب

یوں تو ہر سال شہر کے ہر اسکول میں کھیلوں کے مقابلے ہوتے تھے جن میں صرف اسکول کے اپنے طالبِ علم ہی حصہ لیتے تھے مگر ایک کھیل ایسا بھی ہوتا تھا جس میں تمام اسکولوں کے طلبہ کو اجازت تھی کہ وہ اس میں شریک ہونا چاہیں تو شریک ہو سکتے تھے۔ یہ کھیل سائکلوں کی ریس تھی جو سارے کھیلوں کے بعد ہوتی تھی اور اس میں شامل ہونے کے لیے گو کوئی پابندی نہیں تھی تاہم یہ پابندی ضرور تھی کہ جو بھی مقابلہ کرے وہ اسپورٹس

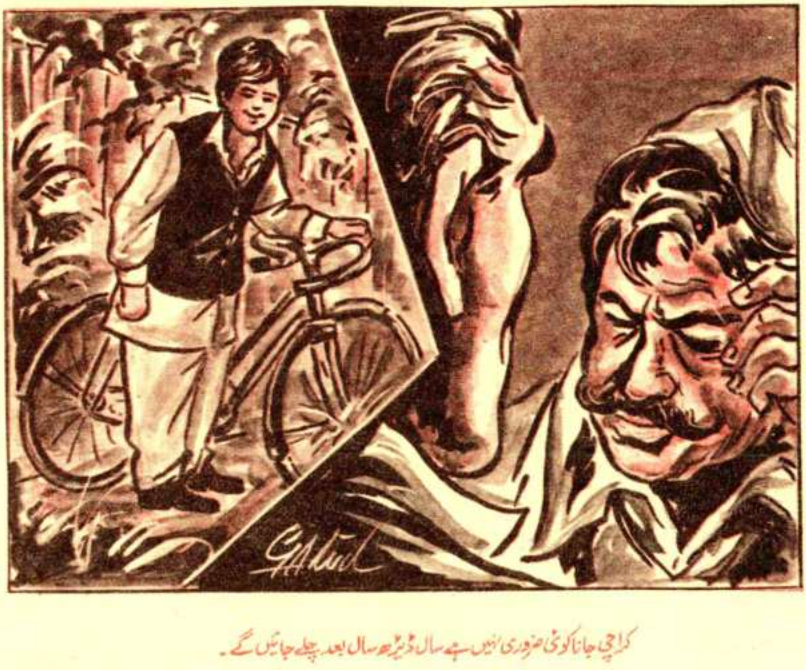

کراچی جانا کوئی ضروری نہیں ہے سال ڈیڑھ سال بعد چلے جائیں گے۔

سائکل خود دے کر آئے کسی اسکول کی طرف سے یہ مہیا نہیں کی جائے گی۔ جس روز یہ مقابلہ ہوتا تھا سارے اسکولوں کے طالبِ علم اپنے اپنے کھلاڑیوں کی نعرے لگا کر ہمت افزائی کرتے تھے اور جو لڑکا پہلے نمبر پر آتا تھا اُسے بڑا انعام و اکرام دیا جاتا تھا۔

سلطان جس اسکول میں پڑھتا تھا اُس کے سالانہ کھیلوں میں وہ اوّل دوم ضرور آجاتا تھا مگر اس کی اصل خواہش یہ تھی کہ سائکلوں کی ریس میں حصّہ لے کر کام یابی حاصل کرے اور اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی تھی، کیوں کہ اس کے پاس اسپورٹس سائکل ہی نہیں تھی۔

یہ ریس وہ بڑی حسرت سے دیکھا کرتا تھا اور گھر پہنچتا تھا تو بڑا مغموم دکھائی دیتا تھا۔ اس کے والدین کو بیٹے کی اس آرزو کا علم تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سائکلوں کی ریس کے موقع پر وہ کیوں اتنا مایوس اور مغموم ہو جاتا ہے مگر وہ بے چارے کیا کر سکتے تھے۔ سلطان کے باپ کی آمدنی اتنی قلیل تھی کہ گھر کا خرچ ہی بہ مشکل چل سکتا تھا۔ اسپورٹس سائکل کے لیے کم از کم آٹھ سو کی ضرورت تھی اور یہ رقم کہاں سے آسکتی تھی؟

اس سال سلطان کے ابّاجی نے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ چند ماہ تک سائکل خرید لیں گے اور سلطان کو بڑی اُمید تھی کہ سال کے آخر میں سائکلوں کی جو ریس ہو گی اُس میں وہ بھی شریک ہو گا، لیکن ایسا اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ بدقسمتی سے سلطان کی امّی بیمار ہو گئیں، پھر برادری میں اوپر تلے تین شادیاں ہو گئیں۔ سلطان کے ابّاجی نے جتنی رقم جمع کر رکھی تھی وہ خرچ ہو گئی اور سلطان بغیر سائکل ہی کے رہا۔

سلطان بڑا ہونہار کھلاڑی تھا جس کھیل میں بھی شامل ہوتا تھا اس میں نمایاں کام یابی حاصل کرتا تھا۔ اسکول سے گھر آتا تھا تو انعام و اکرام سے لدا پھندا ہوتا تھا۔ محلّے والے اور اس کے عزیز گھر آکر اسے مبارک بادیاں دیتے تھے اور اتوار کو بھی وہ اسکول سے گھر پہنچا تو اس کے دوست اس کی ٹرافیاں لیے ہوئے ہمراہ تھے۔

کئی عزیزوں اور محلّے والوں نے اسے مبارک باد دی۔ ان میں مرزا انور بیگ بھی تھے۔ جو سلطان کے محلّے ہی میں رہتے تھے اور ایک معمولی دُکان دار تھے۔ وہ سلطان کو اس وجہ سے بہت عزیز سمجھتے تھے کہ ان کا بیٹا اعظم سلطان کا بہترین دوست تھا اور اعظم گھر میں موجود

نہیں ہوتا تھا تو سلطان ہی ان کے گھر کا کام کاج کر دیتا تھا۔

مرزا انور بیگ نے سلطان کو بڑی خوشی سے مبارک باد دی تھی، لیکن انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ سلطان ویسا خوش نہیں ہے جیسا اُسے اتنی بڑی کام یابی پر ہونا چاہیے تھا خیر اس وقت تو وہ خاموش رہے۔ دو تین روز بعد جب اُن کی ملاقات سلطان کے والد سے ہوئی تو انھوں نے جو کچھ محسوس کیا تھا، اس کا اظہار کر دیا۔

"مرزا صاحب، آپ نے جو کچھ محسوس کیا ہے وہ درست ہے۔" مرزا انور بیگ کی بات سُن کر سلطان کے والد نے کہا۔

"کیوں، ایسا کیوں ہے؟ بچّے تو کام یابی سے بہت خوش ہوتے ہیں۔" مرزا صاحب نے پوچھا۔

"اصل میں وہ اس کام یابی کو کام یابی سمجھتا ہی نہیں۔" مرزا انور بیگ کو یہ الفاظ سُن کر حیرت ہوئی۔ "سلطان اس کام یابی کو کام یابی کیوں نہیں کہتا؟"

اب سلطان کے باپ کے لیے خاموش رہنا مشکل تھا۔ انھوں نے اصل بات بتادی۔

"تو بھائی صاحب، بیٹے کی خواہش کیوں پوری نہیں کرتے۔ کیوں اسے اسپورٹس سائکل خرید کر نہیں دیتے؟" مرزا ارشد بیگ نے سوال کیا۔

"مرزا صاحب، کیا آپ کو ہماری حالت کا علم نہیں ہے؟"

مرزا صاحب کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو انھیں بڑا افسوس ہوا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ سلطان کے گھر والوں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ انھیں یہ بات کہنی ہی نہیں چاہیے تھی مرزا صاحب سلطان کے ابا جی کو اپنے گھر لے آئے اور ان کے آگے سو سو کے آٹھ نوٹ رکھتے ہوتے کہنے لگے "اب کے ہمارا ارادہ تھا کہ کراچی جایا جائے۔ آپ کو پتا ہے نا وہاں میری بڑی بیٹی رہتی ہے۔"

"مجھے خبر ہے مگر......؟" سلطان کے ابا جی رقم لینا نہیں چاہتے تھے۔

"آپ یہ قبول کر لیں۔ آسان قسطوں میں ادا کر دیں۔"

"مگر آپ کا ارادہ تو کراچی جانے کا ہے؟"

"نہیں جاتے۔ کوئی ضروری نہیں۔ سال ڈیڑھ سال بعد چلے جائیں گے۔"

سلطان کے ابا جی رقم لے کر آگئے اور اسی روز انھوں نے اسپورٹس سائکل خرید لی۔

انسان کی ایک بہت بڑی خواہش پوری ہو جائے تو اسے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ سلطان کو بھی بڑی خوشی ہوئی اور اس نے خود مرزا جی کے گھر جا کر ان کا دلی شکریہ ادا کیا۔ سلطان کو اسپورٹس سائکل کبھی ملی ہی نہیں تھی۔ ویسے تو وہ سائکل چلانا جانتا تھا، لیکن تیز رفتاری سے سائکل چلانا اس کے لیے مشکل تھا۔ چند روز مشق کرنے کے بعد اس نے سائکل گھر کے آخری کمرے میں حفاظت کے ساتھ رکھ دی۔ سائکلوں کی ریس ابھی ابھی تو ہوئی تھی۔ نئے مقابلے کے لیے سلطان کو گیارہ ماہ تک انتظار کرنا تھا۔ وہ مطمئن تھا کہ سائکل تو موجود ہے انتظار ہو ہی جائے گا۔ ہفتوں پر ہفتے گزرتے گئے۔

سلطان قریب قریب ہر روز اس کمرے میں جاتا تھا جہاں اس کی سائکل پڑی تھی۔ کپڑے سے اس کی گرد صاف کرتا تھا اور کچھ دیر وہیں بیٹھا رہتا تھا۔ چھے ماہ بیت گئے اور سلطان کے ابا جی اس رقم کی پہلی قسط بھی ادا نہ کر سکے جو انھیں مرزا صاحب نے دی تھی۔ دونوں میں ملاقات ہوتی تو سلطان کے ابا جی شرمندگی کا اظہار کرتے، مرزا صاحب مسکرا کر کہتے، "بھائی صاحب! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے رقم کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ آپ کبھی اس کا ذکر ہی نہ کریں۔ جب سہولت ہو قسط ادا کر دیں۔" سلطان کے ابا جی مرزا صاحب کا شکریہ ادا کر کے چلے جاتے۔

مرزا صاحب کا بیٹا سلطان کا کلاس فیلو بھی تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھتے تھے۔ ایک دوسرے کی ہر خوشی اور ہر غم میں شریک ہوتے تھے۔ ایک روز سلطان نے محسوس کیا کہ اعظم کچھ خاموش خاموش ہے۔ پڑھائی میں بھی دل چسپی نہیں لے رہا۔ پیریڈ ختم ہوا اور آدھی چھٹی ہوئی تو سلطان نے اعظم سے پوچھا، "دوست، لگتا ہے تم پریشان ہو؟"

"نہیں، پریشانی کیسی؟"

اعظم نے سلطان کو ٹالنے کی کوشش کی، مگر سلطان سمجھ چکا تھا کہ وہ ضرور پریشان ہے۔ اس لیے بار بار اس سے پریشانی کی وجہ پوچھتا رہا۔ آخر اعظم نے اسے بتا دیا۔

"کراچی سے خط آیا ہے۔ میری باجی بڑی بیمار ہیں۔"

"تو تمھارے ابا جی اور امی کیوں نہیں چلے جاتے؟" اعظم نے اس سوال کے جواب میں اپنا سر جھکا لیا اور کچھ نہ کہا۔

گھر آکر سلطان نے اپنی امی کو بتایا کہ اعظم کی کراچی والی بہن بڑی بیمار ہے۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ تمھارے ابّو امّی کراچی چلے کیوں نہیں جاتے تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کوئی جواب نہیں دیا تھا؟"

"نہیں امّی، حال آنکہ وہ کوئی بات کبھی مجھ سے نہیں چھپاتا۔"

امی چند لمحے چپ رہنے کے بعد بولیں، "بیٹا، کراچی جانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ تنخواہ میں گزارا ہی مشکل سے ہوتا ہے۔ تمھارے ابّو گھر آئیں گے تو ان سے کہوں گی۔"

"ابا جی انتظام کر لیں گے؟" سلطان نے پوچھا۔ "سائکل کے لیے رقم اعظم کے ابا جی نے ہی دی تھی۔" امّی بڑی مایوس ہو گئی تھیں اور سلطان نے ماں کی مایوسی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ سلطان شام سے پہلے پہلے گھر واپس آجاتا تھا۔ یہ اس کا روزمرّہ کا معمول تھا مگر اُس

سلطان نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کا بنڈل ہاتھ میں تھما دیا۔

روز رات کے نو بج گئے تھے اور اس کا کوئی پتا نہیں تھا۔ اس کے ابا جی، امی اور گھر کے لوگ پریشان تھے۔

اس کے ابا جی دو بار اسکول کے گراؤنڈ میں اسے ڈھونڈ آئے تھے۔ گراؤنڈ میں اسکول کے دو چپراسیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور ان دونوں کو سلطان کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ اس کے سارے دوستوں کے گھروں سے بھی پوچھ آئے تھے۔ کسی کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔

جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا ان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ دس بجے سلطان گھر میں داخل ہوا تو گھر والوں کو اطمینان نصیب ہوا۔

"سلطان بیٹا، کہاں چلا گیا تھا تو؟" اس کی ماں نے اسے گلے لگا کر پوچھا۔

"وہ .... امی، ناصر کے ہاں گیا تھا۔"

"اس کی سال گرہ تھی؟"

"نہیں ابا جان" اس کے ابا جی دیر سے گھر آئے۔"

سلطان کی امی حیرت سے کہنے لگیں، "تجھے ناصر کے باپ سے کیا کام تھا؟"

سلطان نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر باپ کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا سلطان؟"

"آٹھ سو رُپے۔ سائکل ناصر نے خرید لی ہے۔ وہ سائکل خریدنا چاہتا تھا۔"

یہ الفاظ سُن کر سلطان کے ابا جی اور امی ایک دوسرے کو اس طرح دیکھنے لگے جیسے یہ الفاظ اُن کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔

سلطان بولا، "امی، سلطان کے ابو امی کا کراچی جانا بہت ضروری ہے۔ سائکل کا کیا ہے۔ کبھی مل ہی جائے گی۔"

جیسے ہی سلطان کی امی نے یہ الفاظ سُنے انھوں نے بیٹے کو بازوؤں میں لے کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

"شاباش میرے بیٹے، تُو نے اپنے ماں باپ کا دل خوش کر دیا ہے۔" اور وہ دیر تک بیٹے کو دعائیں دیتی رہیں۔

وہ میرا شربت

وہ گرمیوں کی ایک سہ پہر تھی۔ میں لاہور کی سخت گرمی، لُو کے تھپیڑوں، آندھی اور جھکڑوں سے گھبرا کر کراچی اپنی خالہ کے ہاں آگیا تھا۔ کراچی کی مست اور بھیگی سمندری ہواؤں نے مجھے ایک نئی زندگی عطا کر دی تھی۔ اس پر خالہ جان کی محبّت، خلوص اور شفقت، ان کے گھر کا صاف ستھرا ماحول، اُٹھنے بیٹھنے کے شُستہ طور طریقے، اصولوں کی پابندی، بروقت کام اور فرائض کی ادائی، بھائی بہنوں کی مزے مزے کی باتیں اور خاطر مداراتیں، ان سب نے مجھے بہت سکون اور خوشی عطا کی تھی۔ ایک ہفتے تک میں خوب کھیلا اور سویا، اور میں نے خوب کھایا بھی۔

خالہ جان فہمیدہ کا کُرتا سی رہی تھیں

اس دن کراچی بھی لُو کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ کراچی والوں کے حساب سے بڑا سخت موسم تھا۔ خالہ جان بڑے کمرے میں پنکھے کے نیچے بیٹھی فہمیدہ کے لیے دھانی رنگ کا ململ کا کُرتا سی رہی تھیں۔ اتنے میں اشفاق نے کمرے میں داخل ہو کر سب کو سلام کیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ خالہ جان نے اُسے دیکھ کر پوچھا، "خیریت؟ کیا دیکھ رہے ہو؟" اشفاق بولا، "مجھے صندل کے شربت کی خوش بُو آرہی ہے، یہ دیکھ رہا ہوں کہ کون بنا رہا ہے؟" اس پر سب ہنسے اور تخت پر گڑیا سے کھیلتی فہمیدہ بولی، "اشفاق بھائی تک کھانے پینے کی چیزوں کی خوش بُو پیشگی پہنچ جاتی ہے۔" اس پر جھینپتے ہوئے اشفاق نے جواب دیا، "امّی، آج شام بشیر نے مجھے اپنے ہاں بُلایا تھا۔ میں چلا بھی جاتا، لیکن آج کی گرمی نے تو بُرا حال کر دیا۔ میں اب وہاں نہیں جاؤں گا۔ بس اب تھوڑا سا شربت مجھے اور اقبال بھائی کو مل جائے تو مزہ آجائے۔

خالہ جان بولیں، "خیر اقبال کی آڑ لیے بغیر بھی شربت تمھیں مل سکتا ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم نے بشیر سے آج شام اس کے گھر جانے کا وعدہ کر لیا ہے تو پھر وہاں نہ جانے کا کیا مطلب۔ گرمی ہو یا آندھی تم کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے۔" خالہ جان نے آخری جملہ ذرا سخت لہجے میں کہا۔ جسے سُن کر اشفاق چونکا اور بولا، "امّی! کیا آپ ناراض ہیں؟ بس ایک وقت نہ جانے سے بشیر کا کیا بگڑ جائے گا؟"

خالہ جان نے کُرتا لپیٹتے ہوئے کہا، "ہاں میں ناراض بھی ہوں اور حیران بھی۔ بات بہت معمولی ہے، لیکن اگر یہ وعدہ ہے اور یقیناً ہے تو اسے پورا ہونا چاہیے۔ حیران اس لیے ہوں کہ تم بشیر کے نہایت چہیتے دوست ہو۔ اس کی باجی بھی تم کو بے حد چاہتی ہیں۔ ایسے پُر خلوص لوگوں سے ان کے گھر آنے کا وعدہ پورا نہ کرنے کا خیال تمھارے ذہن میں کیسے آیا۔ میں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"مگر امّی!" اشفاق نے جواب کے لیے منھ کھولا ہی تھا کہ خالہ جان پھر بولیں، "اگر مگر سننے کی میں عادی نہیں ہوں وعدہ، وعدہ ہے۔ اس کو توڑنے کی مذہب اور اخلاق اجازت نہیں دیتے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا آخر تم محض اس معمولی گرمی کی آڑ میں وعدہ شکنی جیسی بد اخلاقی کی ہمت کیسے کر رہے ہو۔ تمھارے حساب سے ایک تمھارے نہ جانے سے بشیر کا کیا نقصان ہوگا، اس سے کیا فرق پڑے گا، لیکن یہ تو سوچو کہ وہ تمھارے بارے میں کیا سوچے گا اور پھر ایک دو بار یہی طریقہ جاری رہا

وہ اپنی سائکل پر بشیر کے گھر چلا گیا

تو خود میرے اور تمھارے ابّو کے بارے میں وہ اور اس کے گھر والے کیا سوچیں گے۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ ان کے بڑے بھی وعدہ خلاف ہوں گے، جب ہی تو بچّے اپنے والدین کے اخلاق اور عادات کا نمونہ بنے ہوتے ہیں۔"

خالہ جان کی یہ بات سُن کر نہ صرف اشفاق بلکہ سچ پوچھیے تو میں بھی سناٹے میں آگیا۔ اشفاق کے چہرے سے ندامت ٹپک رہی تھی۔ اس نے فوراً بڑی سعادت کے ساتھ کہا، "معاف کیجیے امّی! مجھ سے غلطی ہوئی۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، میں ابھی نہا کر بشیر کے گھر جاتا ہوں، مگر ایک شرط پر وہ یہ کہ میں لوٹ کر صندل کا شربت ضرور پیوں گا۔"

اس کے اس جملے پر سب ہنس دیے اور وہ نہا دھو کر اپنی سائکل پر بشیر کے گھر چلا گیا۔ سب لوگ لان میں آبیٹھے اور نصیبن بوّا سب کے لیے مونگ کی تلی ہوئی دال اور روح افزا کے گلاس لے آئیں۔

دو گھنٹے بعد اشفاق بھی سائکل کی گھنٹی زور سے بجاتا آگیا۔ وہ بہت خوش اور مطمئن لگ رہا

تھا۔ اس نے آتے ہی سب کو سلام کیا اور پاس پڑی آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ لیٹتے ہی اس نے کہا، "بڑا مزہ آیا، بہت کھا گیا۔"

"کیا کھا لیا آپ نے اشفاق بھائی!" فہمیدہ بولی، "کون سی چیز مزے دار تھی۔ اب تو شاید آپ صندل کا شربت نہیں پئیں گے۔" اشفاق نے ہنستے ہوئے کہا، "یہ مزہ امی کی وجہ سے آیا۔ بشیر کی باجی نے بڑی عمدہ آئس کریم بنائی تھی۔ اس کے علاوہ انھوں نے نہایت لذیذ دہی بڑے بھی بنائے تھے۔ خوب مزے لے لے کر کھائے میں نے۔ سچ امی! نہ آپ مجھے ٹوکتیں اور نہ یہ مزے مجھے ملتے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ بشیر بھی بہت خوش تھا کہ میں گرمی کے باوجود اس کے گھر آیا۔" کرسی پر سیدھے ہوتے ہوئے اشفاق نے کہا، "امی! وہ میرا شربت!"

یہ سن کر سب ہنسنے لگے، خالہ جان نے مسکراتے ہوئے، "بوا وہ صندل کا شربت لے آؤ، سب کے لیے۔"

ننھا سیاح

(ناول)

محمد زکریا مائل

ابن بطوطہ ایک مشہور سیاح تھا۔ اُس نے اسلامی ملکوں کی سیر کی تھی لیکن بغداد کا ننھا سیاح نجمی گھر چھوڑ کر کشتی میں ایک عجیب و غریب جزیرے پر جا نکلتا ہے جہاں بونے رہتے ہیں۔ وہ بونوں کی شاہ زادی میروت کا مہمان بنا۔ اُس نے بونوں کی دُنیا میں عجیب عجیب باتیں دیکھیں، انوکھی غذائیں کھائیں اور ٹی وی اور ریڈیو سے بھی زیادہ عجیب آلے دیکھے۔

یہ تمام دل چسپ باتیں اور شرارتی جن کو قید کرنے کا حال آپ اس سفرنامے میں پڑھیں گے اور حیرت میں ڈوب جائیں گے۔

قیمت: ۶/ روپے

پیالہ

نسیم ستّر کھی

وہ دن ریحان کی سال گرہ کا دن تھا، اس کے ماں باپ ہر سال ریحان کی سال گرہ بڑے دھوم دھام سے منایا کرتے تھے۔ ننّھا ریحان بھی بڑا خوش تھا۔ اس نے اپنے ننّھے مُنّے ساتھیوں کو اپنے گھر بُلایا تھا اور اس کے امّی ابّو نے اپنے خاندان والوں اور اپنے دوستوں کو سال گرہ پر آنے کی دعوت دی تھی۔

صبح ہی سے گھر کی صفائی ستھرائی شروع ہو گئی۔ کمرے کی چھتوں میں رنگ برنگی جھنڈیاں

کم زوری کی وجہ سے پیالہ دادا جان کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔

غبارے اور سُرخ سبز بجلی کے چھوٹے چھوٹے بلب لگائے جا رہے تھے۔ دن ڈھلتے ہی مہمان آنا شروع ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑی دیر میں پورا گھر مہمانوں سے بھر گیا۔ ہر مہمان ریحان کے لیے کوئی تحفہ ضرور لایا تھا۔ ریحان کے جسم پر چمکیلے پھول دار کپڑے کی شیروانی اور اسی کی ٹوپی، چوڑی دار سفید پاجامہ اور پاؤں میں کام دار جوتا تھا۔ یہ لباس ننھے سے جسم پر بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ تمام مہمانوں کی نظریں ننھے ریحان پر آ کر ٹھیر جاتی تھیں۔ وہ بھی سب مہمانوں کے درمیان اُچھل کُود کر رہے تھے۔

بجلی کے رنگین بلبوں کی روشنی میں سال گرہ کی رسم ادا کی گئی، پھر سب مہمان ایک بڑے کمرے میں داخل ہو گئے۔ کمرے کے اندر ایک بڑی میز پر طرح طرح کے کھانے سجے ہوئے تھے۔ میز کے دونوں جانب کرسیوں کی قطاریں تھیں۔ سب مہمان کرسیوں پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ ننھے ریحان نے دیکھا کہ سب لوگ تو ہیں، لیکن دادا جان موجود نہیں ہیں۔ ریحان اپنے دادا سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا اپنے دادا کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے دادا سے کھانے کے کمرے میں چلنے کو کہا۔ پہلے تو دادا نے وہاں جانے سے انکار کیا، لیکن ریحان کی ضد پر وہ مجبور ہو گئے اور اس کے ساتھ کھانے کے کمرے میں داخل ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

میز کے سامنے بیٹھے ہوئے لوگ کھانے کے ان برتنوں کو آگے بڑھا رہے تھے جن میں بڑی مقدار میں کھانا رکھا ہوا تھا۔ ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق اپنی اپنی پلیٹ میں نکال کر کھا رہا تھا۔ جب سالن کا بھرا ہوا ڈونگا دوسرے ہاتھوں سے گزرتا ہوا دادا جان کے ہاتھوں میں پہنچا تو وہ میز پر گر کر ٹوٹ گیا۔ دادا جان کے ہاتھ کم زوری کی وجہ سے کانپتے رہتے تھے۔ جب بھی وہ کسی چیز کو ہاتھوں سے پکڑتے تو ان کے ہاتھ کانپنے لگتے تھے۔ بڑھاپے میں کچھ لوگوں کو یہ بیماری ہو جاتی ہے اس کو رعشہ کہتے ہیں۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ ڈونگا ٹوٹنے سے گوشت کی بوٹیوں اور شوربے سے ریحان کی امّی کی قیمتی ساڑی خراب ہو گئی۔ اِدھر ریحان کے ابّو کا منھ غصّے سے سرخ ہو گیا۔ انھوں نے کھانے کا یہ قیمتی سیٹ باہر سے منگوایا تھا اور آج پہلی بار استعمال ہوا تھا۔

سب مہمان اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ سال گرہ بھی ہو گئی، لیکن اب یہ ہوا کہ ریحان

کے دادا جان کو اب مٹّی کے برتنوں میں کھانا ملنے لگا، لیکن مٹّی کے برتن ٹوٹتے چلے گئے۔ تب اُن کے لیے ایک لکڑی کا پیالہ بنوایا گیا۔

پھر یوں ہوا کہ ایک دن دوپہر کے وقت ریحان کے ابّو امّی اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے اور ریحان بھری دوپہر میں صحن میں بیٹھا ہوا لکڑی کے ایک ٹکڑے کو پتھر سے توڑ رہا تھا۔ توڑ پھوڑ کی آواز ریحان کے ابّو کے کان میں پڑی۔ وہ کمرے سے نکل کر اس کے قریب آگئے اور مسکراتے ہوتے پوچھا،

"بیٹے! اس گرمی میں اکیلے یہاں کیا کر رہے ہو؟"

ریحان نے جواب دیا، "اس لکڑی سے ایک پیالہ بناؤں گا۔ جب آپ دادا جان جیسے ہو جائیں گے تو میں بھی آپ کو اس میں کھانا دوں گا۔"

ریحان کے ابّو کے منھ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ کافی دیر تک وہ چُپ چاپ اسی جگہ کھڑے رہے۔ انھیں اپنے کیے پر پشیمانی تھی۔ بیٹے کی معصوم بات نے اُنھیں چونکا دیا۔ اُس دن کے بعد سے دادا جان کو اپنے ساتھ میز پر چینی کے برتنوں میں کھانا کھلاتے بلکہ کبھی کبھی اپنے ہاتھوں سے ان کے منھ میں نوالہ بھی رکھ دیا کرتے تھے۔

خیال کے پھول

خیال کے پھول کے عنوان سے ہم ہر مہینے مفکّروں اور دانش وروں کے زرّیں اقوال شائع کرتے ہیں۔ ان اقوال کو سب بڑی دل چسپی سے پڑھتے ہیں اور ان سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ہم قول کے نیچے اس مفکّر کے نام کے علاوہ جس کا وہ قول ہے اس نونہال کا نام بھی شائع کرتے ہیں جس نے وہ ہمیں بھیجا ہے، لیکن اب اکثر نونہال اچھے اقوال کی تلاش میں محنت سے کام نہیں لے رہے ہیں اور زیادہ تر وہ اقوال بھیجنے لگے ہیں جو پہلے شائع ہو چکے ہیں یا جو بہت عام ہیں۔ نونہالوں کو چاہیے کہ وہ اچھے اچھے اور نئے نئے اقوال لکھ کر بھیجا کریں اور ان کے نیچے مفکرین کے نام صاف لکھ کر بھیجا کریں۔

میں نے تم سے کہا تھا کہ صاحب کی نوکری ختم ہو گئی ہے آیندہ مرغی نہیں بلکہ دال پکے گی، مگر تم دال اور مرغی دونوں پکا رہے ہو۔
بیگم صاحب! دال آپ لوگوں کے لیے اور مرغی اپنے لیے پکا رہا ہوں، کیوں کہ صاحب کی نوکری ختم ہوئی ہے میری نہیں۔

میں پک نک پارٹی کے لیے بریانی لاؤں گا۔
میں موٹر اور پھل لے آؤں گا۔
آئس کریم، کیک، چائے اور ٹھنڈا لانا میری ذمے داری ہے۔
پک نک میں ہر ایک کے لیے کچھ نہ کچھ لانا ضروری ہے تو میں اپنے بھائی بہن کو لے کر آؤں گا۔

کیسی تھکن

اس دن کام کی کثرت کی وجہ سے مجھے گھر لوٹنے میں دیر ہو گئی تھی۔ گھر پہنچتے ہی بیوی نے کہا، گاڑی بند مت کیجیے بازار سے کچھ ضروری سامان خریدنا ہے، کل جمعہ ہے دُکانیں بند رہیں گی۔ میں تھکن سے چور تھا۔ بیوی کی یہ بات اس وقت بہت کھلی اور میں ذرا تیز لہجے میں بولا، "بھئی! ایسی بھی کیا جلدی ہے دیکھ نہیں رہی ہو کس قدر تھک گیا ہوں، ذرا چائے تو پی لوں، دُکانیں رات گئے تک کھلی رہتی ہیں۔"

میری بیوی نے مسکرا کر کہا، "آپ کی تھکن کا مجھے اندازہ ہے، مگر کیا کروں مجبوری ہے۔ آج سے لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے۔ دیر ہو گئی تو دکانیں بند ہو جائیں گی۔" یہ سُن کر میں اپنا غصّہ

میں نے کہا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ہم تمھیں گھر پہنچا دیتے ہیں

پینے پر مجبور ہو گیا اور ہم دونوں فوراً بازار کی طرف چل پڑے جہاں دُکانیں تیزی سے بند ہو رہی تھیں۔ ہم ایک دُکان میں جو ابھی بند نہیں ہوئی تھی گھس گئے اور جلدی جلدی سامان خریدنے لگے۔ اتنے میں ایک سخت پریشان لڑکی آدھے کُھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ اس نے آتے ہی دُکان دار سے گڑگڑا کر کہا، "مہربانی کر کے مجھے اپنا ٹیلے فون دیجیے، ذرا امّی سے بات کر لوں۔" دُکان دار نے اُلجھے بغیر اُسے ٹیلے فون دے دیا اور ہمارا سامان باندھتا رہا۔

لڑکی نے بار بار ٹیلے فون ملایا، لیکن بات نہ کر سکی۔ ٹیلے فون رکھتے ہوئے وہ بولی، "معلوم ہوتا ہے امّی ابّو گھر پر نہیں ہیں اب کیا ہو گا؟" یہ کہہ کر وہ اور بدحواس ہو گئی۔

میری بیوی سے اس کی یہ کیفیت نہ دیکھی گئی آخر وہ بولی، "بیٹی، حرج نہ ہو تو ہمیں اپنی پریشانی بتاؤ، شاید ہم تمھاری کچھ مدد کر سکیں۔"

یہ سُن کر وہ چونکی اور بولی، "سچ؟ کیا آپ میری مدد کریں گی؟ میں بہت پریشان ہوں، گھر کے لیے سامان خریدنے نکلی تھی۔ خریدتے خریدتے یہ وقت ہو گیا۔ سامان زیادہ ہے۔ میں اسے اُٹھا کر اپنے گھر نہیں لے جا سکتی۔ کوئی ٹیکسی بھی نہیں ملی۔ سوچا امّی یا ابّو کو فون کر کے بُلا لوں، وہ بھی گھر پر نہیں ہیں۔ سردی، اندھیرا اور سنّاٹا بڑھ رہا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں؟"

اس پر میں نے کہا، "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے بیٹی، آؤ ہم تمھیں اپنی گاڑی میں گھر پہنچا دیتے ہیں۔" یہ سُن کر اس لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے اس کا سامان اپنی گاڑی میں رکھا جو واقعی بہت بھاری تھا۔ وہ مسلسل ہمارا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ میں نے اُسے اس کے گھر پہنچا دیا۔ میرا دل خوشی اور شکر کے جذبے سے سرشار تھا کہ آج میں کسی کے کام تو آیا۔ میری بیوی نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، "آپ کے چہرے سے وہ تھکن کہاں غائب ہو گئی؟" میں نے چونک کر کہا،

"کیسی تھکن؟ میں تو خود کو بالکل تازہ دم محسوس کر رہا ہوں۔"

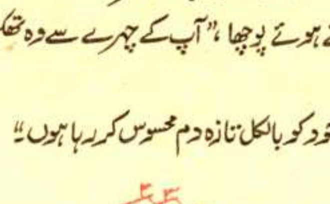

سوال و جواب

طب کی روشنی میں

حکیم محمد سعید

صبح کی پیاس

س: میں جب صبح اٹھتا ہوں تو بہت سخت پیاس لگتی ہے۔ ازراہِ کرم کوئی موثر علاج بتائیے؟

محمد اسحاق بٹ، ہری پور ہزارہ

ج: پیاس لگنا بھائی کون سا مرض ہے! یہ تو قدرتی امر ہے۔ پیاس کا علاج صرف پانی ہے۔ اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ آپ کو پانی میسر ہے۔ اس سے فائدہ اٹھائیے اور جب آپ پانی پی رہے ہوں تو ہرگز فراموش نہ کیجیے کہ اس زمین پر ایسے ممالک بھی ہیں کہ جہاں پانی کی کمی ہے اور وہ پیاس سے مر مر جاتے ہیں۔

دانت پیلے ہیں

س: میرے دانت بہت پیلے ہیں اور جب میں دانتوں کو صاف کرتا ہوں تو خون جاری ہو جاتا ہے۔ آپ اس کا کوئی اچھا سا علاج تجویز کریں۔ محمد عمر فاروقی، بہاول نگر

ج: دانتوں کا اصل رنگ تو پیلا ہی ہے۔ ان کو سفید کرنے کی کوشش کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آپ نے دانتوں کو سفید کرنے کی دُھن میں اپنے مسوڑھوں کو زخمی کر لیا ہو یا وہ ویسے ہی کم زور ہوں۔ ان پر توجہ کرنی چاہیے۔ وی۔ سی (وٹامن سی) ۵۰۰ ملی گرام کی ایک ٹکیا روزانہ کافی دِنوں تک کھانی چاہیے۔

منھ پر تل

س: میرے چہرے پر تل ہیں، جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ ازراہِ کرم کوئی ایسی

دوا بتائیں جس کو منھ پر مَلا جا سکے، کیوں کہ میں نے بہت دوائیاں کھائی ہیں اور میں دوائیاں کھا کھا کر تنگ آگئی ہوں۔ میری عمر ۱۳ سال ہے۔ صدف تقویم، لاہور

ج: میری رائے یہ ہے کہ جو تل پیدا ہو گئے ہیں، ان کو دُور کرنا اب ممکن نہیں ہو گا۔ آپ کو اپنی غذا میں تبدیلی کرنی ہوگی اور گوشت کا استعمال کم سے کم کرنا ہو گا۔ آپ کے خون میں کوئی آمیزش ہے کہ جو جلد پر داغ بن کر ظاہر ہو رہی ہے۔ خون صاف کرنے کے لیے ضروری ہے کہ غذاؤں میں اعتدال کو جگہ دی جائے۔ آپ زیادہ سے زیادہ ہرا گھیا کھائیے۔ اس سے خون میں اعتدالِ مزاج پیدا ہوتا ہے۔ کھیرا، ککڑی بھی ایسا ہی فائدہ کرتے ہیں۔

میرے سر کے بال سخت اور خشک ہیں

س: میں آٹھویں کلاس کا طالبِ علم ہوں۔ میری عمر ۱۵ سال ہے۔ میرے سر کے بال نہایت سخت اور خُشک ہیں، جن کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ مہربانی فرما کر کسی اچھے تیل کا نام یا نسخہ عنایت فرمائیے۔ مرسلہ: عالم احمد صدیقی، کراچی

ج: بالوں کو روزانہ دھونا اور ان کو مٹّی خاک سے بچانا بجائے خود ایک اچھی تدبیر ہے۔ اس پر توجہ کیجیے۔ سفید تلوں کا تیل سب سے اچھا ہے۔ سارے تیل چھوڑ کر اس کو اختیار کیجیے، اور ہاں یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے بال قدرتی طور پر سخت ہوں۔ اگر ایسا ہے تو پھر تو آپ کو انھیں برداشت کرنا ہو گا۔ میں نظامِ قدرت میں کیسے دخل دے سکتا ہوں۔

آنکھوں سے پانی بہنا

س: جب بھی پڑھنے بیٹھتا ہوں تو آنکھوں سے پانی بہنا اور درد شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے فوراً بعد سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ ناصر جاوید، گوجرانوالہ کینٹ

ج: آپ کو اپنی آنکھوں کا معائنہ کسی ماہرِ چشم (آئی اسپشلسٹ) سے ضرور کرا لینا چاہیے۔ دوا کے طور پر صبح و شام "سومینا" کا ایک ایک چمچہ پھانک لیا کیجیے، اور شام کو جوارشِ انارین ۶ گرام کھائیے۔

پھیپڑوں میں تکلیف

س: میری عمر ۴۰ سال ہے۔ میں نے بہت ڈاکٹروں کا علاج کروایا، لیکن فائدہ نہیں ہوا۔ میرے پھیپڑوں میں درد ہے اور سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ میں بہت ہی پریشان ہوں۔

آپ کوئی علاج بتائیں کہ مجھے آرام آجائے۔ گلاب فاطمہ، کوٹری

ج : یہ بڑا مشکل ہے کہ میں آپ کے لکھے ہوئے مختصر حال سے مرض کے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچ سکوں۔ نہ جانے کیا صورتِ حال ہے۔ پھیپڑے کم زور ہیں یا اُن میں زخم ہو گئے ہیں۔ سانس لینے میں دشواری سے شبہ ہوتا ہے کہ دمہ (ضیق النفس) نہ ہو۔ آپ کو بہرصورت کسی معالج کو دکھانا ہو گا۔ ویسے ایک اچھی تدبیر اِسی وقت ذہن میں آتی ہے۔ آپ برگِ تُلسی خُشک ۶ گرام لیجیے۔ اُسے ایک گلاس پانی میں ڈال کر جوش دیں اور چھان کر صبح و شام پینا شروع کر دیں۔ اس سے ضرور آرام ملے گا۔

آواز باریک ہے

س: عمر ۱۴ سال ہے۔ آواز باریک ہے۔ جب کسی سے بات کرتا ہوں تو آواز بالکل باریک نکلتی ہے اور جب کسی شخص کو پکارتا ہوں تو آواز آہستہ نکلتی ہے۔ محمد اسلم، کراچی

ج : عمر کے اس حصّے میں باریک آواز آیندہ ہونے والی تبدیلی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے اور اگر پیدائشی آواز باریک ہے تو یہ قدرت کا فیصلہ ہے۔

رال ٹپکتی ہے

س: میری عمر ۱۴ سال ہے۔ رات کو نیند میں میرے منھ سے رال ٹپکتی رہتی ہے۔

شاہ نواشاہ، بھیم پورہ

ج : آپ کی آنتوں میں ضرور بڑے کیڑے ہیں۔ آپ سب سے پہلے کسی اچھے معالج سے پیٹ صاف کرنے کا علاج کرائیے۔ اس کے بعد صبح و شام قرص نمک مرگانگ ایک عدد اور معجون نانخواہ ۶ گرام ۱۵۔ ۲۰ دن کھائیے۔ صبح ناشتے سے پہلے اور عصر کے وقت۔

پاؤں میں پسینا

س: میری عمر ۱۴ سال ہے۔ میں جب بھی اپنے پاؤں میں چپّل پہنتا ہوں تو میرے پاؤں میں پسینا آتا ہے۔ کیا وجہ ہے۔ ازراہِ کرم اس کا کوئی علاج بتائیے۔ عظمت علی، کراچی

ج : گھر میں آپ کے چائے تو ضرور بنتی ہو گی، چائے کی پتّی کا بھوک (چائے بنانے کے بعد جو پتّی بچتی ہے) آپ رات کو روزانہ اپنے تلوؤں میں مَل لیا کیجیے۔ شاید اس سے پسینا بند ہو جائے۔

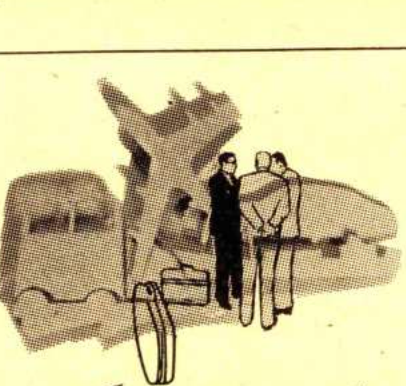

سفر میں کارمینا ساتھ رکھیے

سفر مختصر ہو یا طویل سفر کی تکان، آب وہوا اور کھانے پینے کے معمول میں تبدیلی عموماً نظامِ ہضم کو متاثر کرتی ہیں۔

دورانِ سفر اپنی غذا کا خاص خیال رکھیے۔ اناپ شناپ اور مرچ مسالے دار اشیائے خوردنی سے پرہیز کیجیے۔ بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن اور تیزابیت وغیرہ کی صورت میں کارمینا استعمال کیجیے۔

کارمینا

نظامِ ہضم کو بیدار کرتی ہے، معدے اور آنتوں کے افعال کو منظم و درست کرتی ہے

کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق

دیانت داری خود اعتمادی پیدا کرتی ہے

اخبار نونہال

چمکنے والا درخت

کہتے ہیں کہ انڈونیشیا کے جزیرے جاوا میں ایک عجیب و غریب درخت پایا جاتا ہے۔ یہ درخت تقریباً چھے سات فیٹ اونچا ہوتا ہے۔ رات کے وقت یہ اس قدر چمکتا ہے کہ میلوں تک نظر آتا ہے۔ آپ اس کے نیچے بیٹھ کر کوئی کتاب یا رسالہ بہ آسانی پڑھ سکتے ہیں۔

مرسلہ: رضوان احمد خان، روہڑی

اگر ایسا پھر ہو تو

کیا آپ یقین کریں گے کہ ۱۸۹۶ء تک انگلستان میں ۴ میل فی گھنٹہ سے زیادہ رفتار سے موٹر کار چلانا جرم تھا۔ اس کے علاوہ ہر کار کے آگے آگے ایک آدمی سرخ جھنڈی لے کر ہٹو بچو ہٹو کرتا ہوا چلتا تھا۔

مرسلہ: سلمان طیب، کراچی

تیرھویں منزل پر کیا ہے؟

اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ دنیا کی دوسری سب سے بڑی بلڈنگ یعنی امریکا کی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کی تیرھویں منزل پر دنیا کا کون سا مشہور دفتر ہے، تو شاید آپ سوچ میں پڑ جائیں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکا کی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ میں تیرھویں منزل ہی نہیں ہے، کیوں کہ امریکا میں ۱۳ کا ہندسہ منحوس سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا بارھویں منزل کے بعد چودھویں منزل شروع ہوتی ہے۔

مرسلہ: تسنیم سمیع، فوزیہ سمیع، کراچی

سب سے بڑی گھنٹی

دنیا کی سب سے بڑی گھنٹی ماسکو میں ہے جس کا وزن ۱۹۸ ٹن اور لمبائی بیس فیٹ اور قُطر اٹھارہ انچ ہے۔ یہ ۱۷۳۳ء میں بنائی گئی تھی۔

مرسلہ: کاشف ابوبکر، مکہ مکرمہ

صحت مند نونہال

فضیلا ابوبکر، مکہ مکرمہ

شنیلا ابوبکر، مکہ مکرمہ

کاشف ابوبکر، مکہ مکرمہ

محمد اقبال اعظم، قلعہ رام کو

بش کمار، گمبٹ

غلام فاروق

سید محمد وسیم، کوٹ غلام محمد

سلیم احمد سومرو، سکھر

محمد رفیق، کراچی

گوکی، سکھر

سجاد رضا، کراچی

محمد سرفراز عظیم، نواب شاہ

محمد عادل گوندل، کراچی

سید فیصل علی، کراچی

جانیں بچانے والا ہوا باز

علی اسد

ایک دن سوئٹزرلینڈ میں کوہِ آپس کی کانڈر گلیشیر کے اوپر ایک ہوا باز اپنا ہوائی جہاز (پائپر کب) اُڑا رہا تھا۔ اس نے نیچے جو نظر ڈالی تو ایک آدمی برف پر کچھ عجیب انداز سے بیٹھا دکھائی دیا۔ یہ آدمی ایک گائڈ تھا۔ وہ دو سیاحوں کے ساتھ اس گلیشیر کو پار کر رہا تھا۔ یہ دونوں سیاح میاں بیوی تھے۔ تینوں آپس میں رسّی سے بندھے ہوئے تھے۔ اچانک میاں بیوی غائب ہو گئے۔ جس جگہ انھوں نے قدم رکھا تھا وہاں ایک گڑھا تھا، اس میں دھنس گئے۔ گائڈ کے قدم بھی ڈگمگا گئے، مگر اس نے اپنی کلہاڑی سخت برف میں گاڑ دی اور اس طرح سے وہ ان دونوں میاں بیوی کا وزن سنبھالے رہا۔ چناں چہ اس وقت وہ ایک گہرے گڑھے کے کنارے بیٹھا ہوا تھا، مگر اس قابل نہ تھا کہ ان دونوں کو اوپر گھسیٹ سکے۔ ہوا باز نے دو بار اس جگہ پر چکّر کاٹے اور اُتر آیا اور اس نے گائڈ کے ساتھ ان دونوں میاں بیوی کو گڑھے سے نکال لیا۔ اس کے بعد ہوا باز نے ان کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔

اس ہوا باز کا نام ہَرمَن گیگر تھا۔ کوہ آپس میں لوگوں کی جان بچانے والوں میں یہ پہلا شخص تھا۔ آج اس ہوا باز کی طرح دوسرے بھی کوہِ آپس میں لوگوں کی جان بچانے کے کام میں مصروف ہیں اور یہ لوگ روزانہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ چند برس پہلے اس قسم کے کام کو لوگ ناقابلِ عمل تصوّر کرتے تھے۔ دراصل اس طرح سے لوگوں کی جان بچانے کا خیال پہلی بار گیگر ہی کے دل میں آیا تھا۔

تیس سال پہلے اپنے والد کی بھیڑوں کی دیکھ بھال کرتے ہوئے اس نے پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا تھا اور اُس دن کا تصوّر کرنے لگا تھا جب وہ خود اُڑنے کے قابل ہو جائے گا۔ اسے خاص طور سے اپنے محبوب پہاڑوں کے درمیان اُڑنے کی بڑی تمنا

تھی۔ وہ ان لوگوں کے بارے میں سوچتا رہتا تھا جو پہاڑ پر چڑھتے وقت زخمی ہو جاتے ہیں یا جو اچانک برف کی بے دولت پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ جب کوئی کوہ پیما پھسل جاتا ہے تو اس کی مدد کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ کوہ پیما کی ہڈی ٹوٹ سکتی ہے یا وہ اتنا زیادہ زخمی ہو سکتا ہے کہ اسے وہاں سے لے جانا خطرناک ہوتا ہے۔

ان دونوں حادثات کا شکار ہونے والوں کی مدد کرنے والوں کے لیے پہاڑوں پر چڑھنے میں بہت وقت لگتا تھا۔ چناں چہ گیگر نے سوچا کہ اگر کوئی ہوا باز ان سفید برف پوش جگہوں پر ہوائی جہاز اُتار سکے تو مریض کو آدھے گھنٹے کے اندر ہسپتال پہنچایا جا سکتا ہے، لیکن سوئٹزر لینڈ میں برف کی چٹانوں پر ہوا باز صرف دو بار اپنے ہوائی جہاز اُتار سکے تھے۔ انھوں نے یہ کام محض تفریحاً کیا تھا۔ اس کے بعد وہ ہوائی جہاز کو اُڑانے میں ناکام رہ گئے تھے۔ ہوائی جہاز کے پہیے نرم برف میں دھنس گئے تھے۔ اس لیے گیگر جانتا تھا کہ یہ کام اس کے لیے آسان نہ ہوگا۔

گیگر نے جوں ہی ہوائی جہاز چلانا سیکھا وہ پہاڑوں میں تعمیراتی سامان لے جانے

لگا۔ وہ اپنے چھوٹے سے جہاز میں سیکڑوں ٹن سامان لے گیا اور پیراشوٹ کے ذریعے سے اسے وہاں اُتار دیا۔ جس کام کو خچرّوں پر دو دن میں کیا جاتا وہ اس نے ایک گھنٹے میں انجام دے دیا۔ سردی کے موسم میں وہ پہاڑی بکروں کے لیے غذا پہنچاتا رہتا تھا، مگر گیگر انسانی جانوں کو بچانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے برف پر ہوائی جہاز اُتارنا ضروری تھا۔ اس نے ایک ترکیب نکال لی۔ وہ یہ کہ اس نے ہوائی جہاز میں لکڑی کے تختے (SKIS) لگا لیے اور پہیّے بھی لگا لیے، لیکن یہ صرف ابتدا تھی۔ چوں کہ پہاڑوں پر ہموار میدان بہت کم ہوتے ہیں اس لیے اسے ڈھلوانوں پر ہوائی جہاز اُتارنے کا مسئلہ حل کرنا تھا۔ اس کے علاوہ اسے بہت چھوٹی چھوٹی جگہوں پر ہوائی جہاز اُتارنے کا مسئلہ بھی درپیش تھا، کیوں کہ بعض مقامات پر برفانی چٹانیں اس طرح سے ٹوٹ جاتی ہیں کہ درمیان میں سڑک کی چوڑائی کے برابر شگاف پڑ جاتا ہے۔ اس لیے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ہوائی جہاز اس غار کے اندر نہ گر جائے۔

وہ برسوں تک اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔ پھر اچانک اسے ان چھوٹے چھوٹے کوّوں کا خیال آیا جنھیں وہ اپنے بچپن میں دیکھا کرتا تھا۔ یہ کوّے جب کسی جگہ پر اُترتے ہیں تو اپنے پَروں سے بریک کا کام لیتے ہیں۔ پھر زمین پر پنجوں کو گاڑنے سے پہلے ذرا سا اوپر اُٹھتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ اپنے ہوائی جہاز کو بھی ان کوّوں کی طرح اُڑا سکے تو پھر وہ پہاڑ کی ڈھلوانوں پر اُتر کر رُک سکے گا۔

دس مئی ۱۹۵۳ء کو گیگر نے اپنے چھوٹے سے شہر "سیان" کی ہوائی پٹّی سے اپنا ہوائی جہاز اُڑایا۔ اس دن اس نے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ وہ ایک برفانی چٹان پر اُتر گیا اور پھر وہاں سے اُڑ گیا۔ چند برس بعد گیگر مجھ کو اپنے ساتھ لے گیا تاکہ میں بھی دیکھ لوں کہ اس نے یہ مشکل کام کیسے کیا تھا۔ وہ رہون کی وادی سے چکّر لگاتا ہوا اُڑا اور پھر ایک بڑی اونچی چوٹی کی طرف گھوم گیا۔ وہاں ہزاروں فیٹ گہری برف تھی اور سخت چٹانیں تھیں۔ ایک جگہ پر مغربی چٹان کے پاس پچاس فیٹ لمبا اور بیس فیٹ چوڑا ایک چھجّا تھا۔ واضح رہے کہ پائپر (PIPER) ہوائی جہاز کی پرواز کے لیے اور اُترنے کے لیے عام طور پر دو سو گز ہموار زمین درکار ہوتی ہے۔ اس چھجّے کا نچلا

حقہ آگے جا کر جھکا ہوا تھا۔
گیگر نے جھک کر سطح کا احتیاط سے جائزہ لیا۔ پھر وہ پہاڑ سے دُور چلا گیا اور آدھے میل تک اُڑتا رہا اور نیچے اُترتا رہا۔ پھر وہ گھوم پڑا اور سیدھا اسی دیوار کی طرف روانہ ہوا۔ دیوار کے قریب پہنچنے سے پہلے اس نے ہوائی جہاز کی ناک کو اوپر اُٹھایا۔ ہوائی جہاز میں لگے ہوئے لکڑی کے تختے ڈھلوان کی اس جگہ پر لگے جو ۲۵ ڈگری کا زاویہ بنائے ہوئے تھی۔ پھر وہ جہاز کو برف پر اُڑاتا ہوا اوپر چلا گیا۔ ڈھلوان کی وجہ سے رفتار کم ہو گئی اور ہم لوگ چٹان سے تقریباً دس گز کے فاصلے پر ہموار سطح پر اُتر گئے۔ گیگر نے کوّوں کی پرواز کی نقل کی اور اس میں وہ کام یاب رہا۔

ہوائی جہاز کو وہاں سے اُڑانا اتنا دشوار نہ تھا۔ اس نے صرف ہوائی جہاز کی دُم کو اٹھایا اور اسے گھمایا۔ پھر وہ چڑھتا چلا گیا اور سیدھا گلگر پر آ کر رُک گیا۔ یہ بالکل اسی طرح سے ہوا۔ جس طرح سے کہ خواب میں دکھائی دیتا ہے کہ آسمان سے زمین پر

گرتے چلے آرہے ہیں۔

گیگر کوئی غیر معمولی قسم کا آدمی نہیں۔ سوئٹزرلینڈ کے پہاڑوں میں دوسرے گائڈ جیسے ہوتے ہیں ایسا ہی وہ بھی ہے۔ چوڑے شانے، چہرے پر ہوا کے تھپیڑوں کے آثار اور پہاڑوں پر رہنے والوں کی طرح صاف اور شفاف آنکھیں۔ وہ جانتا ہے کہ کن خطرات کا اس کو سامنا کرنا ہے، لہٰذا وہ محتاط بھی ہے اور دلیر بھی۔ جب بھی وہ لوگوں کی جان بچانے جاتا ہے تو بڑی احتیاط سے کام کرتا ہے اور اسی وجہ سے وہ سیکڑوں آدمیوں کی جانیں بچانے میں کام یاب رہا ہے۔ وہ اب تک تقریباً دو ہزار بار کوہ آلپس پر اپنا ہوائی جہاز اُتار چکا ہے اور ایک بار بھی کوئی حادثہ نہیں ہوا ہے۔

جب وہ اپنے ہوائی جہاز میں نہیں ہوتا تو اپنے ٹیلے فون کے قریب ہی ہوتا ہے۔ ایک روز صبح کو ٹیلے فون کی گھنٹی بجی: "کالمے پہاڑ پر برفانی طوفانوں سے حادثہ ہو گیا ہے، فوراً آجاؤ۔"

بیس منٹ کے اندر گیگر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے نیچے دیکھا کہ ایک بڑی سی ڈھلوان ہے، اوپر سطح چکنی ہے مگر آدمی دُور جاکر برف ٹوٹی ہوئی ہے۔ لکڑی کے تختوں کے نشانات اس کے ایک جانب تو ہیں، مگر دوسری جانب کوئی نشان نہیں۔ گیگر چکّر لگاتا رہا۔ آخر کار اسے برف میں ایک چھوٹی سی جگہ دکھائی دے گئی جہاں وہ جہاز کو اُتار سکتا تھا۔ جان بچانے والوں کا ایک گروہ وہاں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ بارہ آدمی اس ڈھلوان کو پار کر رہے تھے کہ اچانک ان کے پیروں سے زمین کھسک گئی اور وہ برف میں دفن ہو گئے۔ کئی گھنٹوں کے بعد وہ بارہ آدمی مل گئے۔ پانچ زخمی ہو گئے تھے۔ گیگر باری باری انھیں لے گیا۔

جاڑے کے موسم میں ایک دن گیگر کو بتایا گیا کہ کوہ روزا پر ایک حادثہ ہو گیا ہے۔ اس نے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ نیچے وادی میں بارش اور برف باری ہو رہی تھی۔ بادل بہت نیچے تھے۔ صرف پانچ سو فیٹ زمین سے دُور ہوں گے۔ گیگر نے کہا کہ اس موسم میں ہوائی جہاز اُڑانا ممکن نہیں۔

"تم کو آنا ہو گا۔ آدمی کی حالت خراب ہے۔"

گیگر خطرات کا صرف اسی وقت مقابلہ کرتا ہے جب کسی کی جان بچانا ضروری ہو۔ لہٰذا وہ ہوائی جہاز لے کر اس وادی کے دہانے تک پہنچ گیا۔ اسے بادلوں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا۔ وہ اِدھر اُدھر اُڑتا رہا۔

آخر بادلوں کے درمیان اسے ایک نیلا سوراخ دکھائی دے گیا۔ گیگر اس میں سے گزر گیا۔ اب وہ اُن بادلوں کے اوپر تھا جو اُن چوٹیوں کو چھپائے ہوئے تھے۔ سولہ ہزار فیٹ کی بلندی پر وہ چکّر لگاتا رہا اور اپنی جگہ کا اندازہ لگاتا رہا۔ آخر وہ ایک سائے کو پہچان گیا۔ اسے اپنی جگہ کا اندازہ ہو گیا۔ اب وہ کوہِ روزا کی جانب چلا۔ وہ چکّر کاٹتا رہا، یہاں تک کہ اسے بادلوں میں ایک جگہ مل گئی اور وہ نیچے اُترنے لگا۔ نیچے ایک گائڈ ایک کلہاڑی میں رومال باندھے اشارہ کر رہا تھا۔ گیگر وہاں اُتر پڑا۔

زخمی آدمی کو لے کر واپسی اور بھی دشوار رہی۔ اس بار گیگر بادلوں کے نیچے پرواز کرتا رہا۔ سارے راستے میں وہ زمین سے تقریباً پچاس فیٹ کے فاصلے پر رہا ہو گا۔ کبھی کبھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہوائی جہاز کے بازو آس پاس کی چٹانوں کو چھوتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ بہرحال اس بار بھی اس کی کوشش کامیاب رہی۔ یہ لوگ صحیح سلامت واپس آ گئے اور اس آدمی کی جان بچ گئی اور یہ سب محض ایک پرانے ہوائی جہاز اور ایک ایسے باہمّت آدمی کی دلیری کی وجہ سے ممکن ہو سکا جس کا یہ ایمان ہے کہ اگر آپ لگن سے کام کریں تو کوئی بات ناممکن نہیں۔

وہ الفاظ جن کے معنی نونہالوں نے پوچھے

مِدحَت : (ع) : حمد، تعریف، ثنا۔

ماہ جبیں : (ف) : خوب صورت، جس کی پیشانی چاند کی طرح ہو۔

مُؤرّخ : (ع) : تاریخ لکھنے والا۔

چودھری : (ہ) : سرغنہ، نمبردار، گاؤں کا سردار۔

اِصرار : (ع) : تکرار، تاکید، ضد۔

اَمرِت : (ہ) : بہت لذیذ اور شیریں چیز، زہر کی ضد۔

شمیم : (ع) : مہک، سونگھنا، خوش بُودار ہوا۔

اِرَم : (ع) : شدّاد کی بنائی جنت، ایک شہر کا نام۔

پوسٹ مارٹم : (انگ) : موت کے بعد جسم کی طبّی جانچ۔

اَسرار : (ع) : راز، بھید۔

صُوفی : (الف) : درویش، دل صاف کرنے والا۔

بزمِ ہمدرد نونہال بیادِ قائدِ اعظم

شہزاد منظر

وقت کی پابندی ایسی ہو کہ گھڑی ملائی جا سکے

عظمیٰ اور عذرا نعت پڑھ رہی ہیں ——— ہیپی ہوم اسکول کی طالبات نغمہ سرا ہیں۔

۲۴۔ دسمبر ۸۵ء کو بزمِ ہمدرد نونہال کا پانچواں ماہانہ جلسہ قائدِ اعظم کی ایک سو نویں سال گرہ کے موقع پر ان کی یاد میں منعقد ہوا۔ سب سے پہلے دارالعلوم (کورنگی) کے ننھے قاری مسعود احمد نے قرآنِ حکیم کی تلاوت سے جلسے کا آغاز کیا۔ اس کے بعد ہیپی ہوم اسکول کی نونہال سمیتا نے نعت شریف پڑھی۔ ایک اور نعت شریف دو نونہالوں عذرا اور عظمیٰ نے مل کر پڑھی۔ اس کے بعد ہیپی ہوم اسکول کی طالبات نے بڑے خوب صورت انداز میں ایک قومی نغمہ پیش کیا۔ دو نابینا طالبِ علموں نے ہارمونیم پر ان کا ساتھ دیا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن کے سربراہ اور بچّوں کے محبوب ماہ نامہ "ہمدرد نونہال" کی مجلسِ ادارت کے صدر جناب حکیم محمد سعید نے نونہالوں کا پُر تپاک خیر مقدم کرتے ہوئے کہا:

جناب حکیم محمد سعید بچوں سے دل چسپ باتیں کر رہے ہیں ۔

احمد فرید اپنی سال گرہ کا کیک کاٹ رہے ہیں

میں سب سے پہلے آپ سب کا اور بچوں کے والدین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس تقریب میں شرکت کی ۔ اس جلسے کے لیے پہلے سے زیادہ کرسیوں کا انتظام کیا گیا ہے ، لیکن سب بھری ہوئی ہیں ۔ میرے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ بچے بزمِ ہمدرد نونہال میں اس طرح شوق سے آتے ہیں ۔ بزمِ ہمدرد نونہال کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ پاکستان کے کئی شہروں سے بچوں نے لکھا ہے کہ ہم نے کیا قصور کیا ہے جو ہمیں بزمِ نونہال میں شرکت سے محروم رکھا ہے ۔ ہم آج کل اسلام آباد ، لاہور اور بعض دوسرے شہروں میں بزمِ ہمدرد نونہال کے انتظامات کرنے کے بارے میں غور کر رہے ہیں ۔ یہ کام آسان نہیں ہے بلکہ بہت مشکل اور محنت طلب ہے ، لیکن ہم کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی راستہ نکالیں ۔ آج کی مجلس کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا ہے ۔ اس نونہال نے تلاوت اس طرح کی کہ میں مدینے میں پہنچ گیا ۔ مسلمان کی حیثیت سے کسی کا مکّے اور مدینے میں پہنچ جانا بڑے اعزاز اور سعادت کی بات ہے ۔ گزشتہ بدھ اور جمعرات کو عمرے کے دوران مجھے خانہ کعبہ کے دروازے کے اندر داخل ہونے اور حضورِ اکرم ؐ کے مزارِ اقدس میں حاضر ہونے کی بھی سعادت نصیب ہوئی ہے ۔ یہ اللہ کے فضل سے بہت بڑی سعادت ہے ۔ میری دعا ہے کہ تمام بچوں کو بھی یہ موقع حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ انھیں حج اور عمرہ کرنے کی سعادت سے نوازیں ۔

آج کی بزمِ نونہال کا موضوع قائدِ اعظم ہے ۔ سب جانتے ہیں کہ قائدِ اعظم بہت بڑے آدمی تھے ۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ پاکستان کا قیام ہے ۔ اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ قائدِ اعظم کیوں

بڑے آدمی تھے؟ اس کا جواب آسان اور واضح ہے۔ وہ یہ کہ انھوں نے پاکستان کے قیام کے لیے محنت اور جدوجہد کی۔ انسان میں فکر کی صحّت کے ساتھ جسم کی صحّت بھی ضروری ہے۔ صحّت درست رکھنا ہر انسان کا فرض بھی ہے اور حق بھی۔ صحّت درست رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ بچّوں کو بڑے ہو کر پاکستان کی تعمیر کرنی ہے۔ پاکستان کو مضبوط بنانا ہے۔ پاکستان کو مضبوط، بڑا اور طاقت ور بنانے کے لیے

ہجوم نونہالاں

ضروری ہے کہ پوری قوم اور پورا ملک صحّت مند اور طاقت ور ہو۔ بچّے صحیح انداز میں سوچیں۔ صحیح فکر اور غور کرنے کی عادت ڈالیں اور ان کی صحیح فکر کا رُخ اچھی باتوں کی جانب ہو۔ صحیح صحّت اور صحیح فکر بنیادی ضرورت ہے۔ صحّت کے بعد تعلیم کا درجہ ہے۔ تعلیم کے بغیر ترقی و تعمیر ممکن نہیں۔ تعلیم حاصل کرنا حق بھی ہے۔ اسلام کا سب سے پہلا سبق تعلیم ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضور اکرمؐ پر جو سب سے پہلی

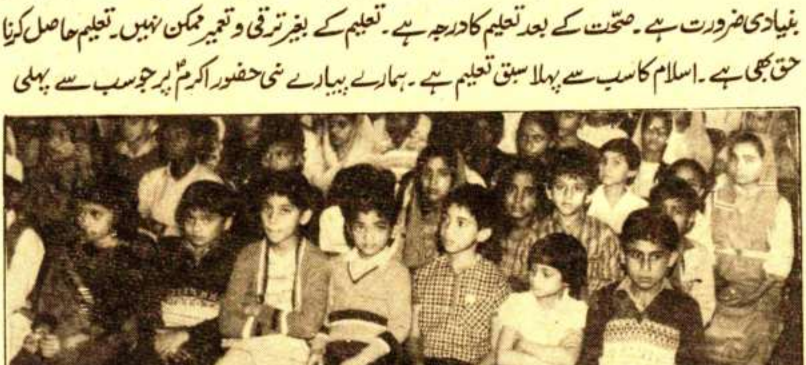

ننھے منّے نونہال ـــــ بزم ہمدرد نونہال کی رونق

بزم میں شریک بچّے — کچھ بڑے بھی ہیں۔

وحی نازل ہوئی اس کا پہلا لفظ اقرا ہے یعنی پڑھو۔ اسلام میں سب سے زیادہ زور تعلیم پر دیا گیا ہے۔ اسلام کا تقاضا اور مطالبہ ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کا ہر شخص تعلیم سے آراستہ ہو۔ بڑا آدمی بننے کے لیے صحت کے ساتھ ساتھ تعلیم اور پھر دیانت، امانت اور صداقت ضروری ہے۔ بڑا بننے کے لیے یہ تمام باتیں ضروری ہیں۔ بڑا بننے کے لیے جھوٹ سے نفرت ضروری ہے۔ سچّا مسلمان اور پاکستانی وہ ہے جو ہر ایک کو اس کا حق دے سکے۔ دوسروں کا احترام کر سکے اور اپنے آرام کو چھوڑ کر دوسروں کو آرام پہنچا سکے اور دوسروں کی تکلیف کو دُور کر سکے، ان کو راحت پہنچا سکے۔

میرے نزدیک سب سے اہم بات وقت کا صحیح استعمال ہے۔ دن کے ۲۴ گھنٹوں میں آرام کرنا، پڑھنا، کھیلنا سب کچھ شامل ہوتا ہے۔ وہی لوگ بڑے بنتے ہیں جو وقت کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔ وقت انسان کے پاس امانت ہے، جو لوگ وقت اچھی طرح استعمال نہیں کرتے اور وقت ضائع کرتے ہیں وہ امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ وقت کی پابندی اعلا صفت ہے۔ ہر مسلمان اور ہر انسان کو وقت کی پابندی کرنی چاہیے۔ مشہور عالم اور بزرگ مولانا اشرف علی تھانویؒ وقت کے بڑے پابند تھے۔ وہ جب گھر سے مسجد جاتے تو لوگ ان کو دیکھ کر اپنی گھڑیاں ملاتے تھے۔ کام یاب زندگی کے لیے ان باتوں پر غور کرنا چاہیے۔

قائدِ اعظم نے ہمیں تین اصول دیے ہیں یعنی اتحاد، تنظیم اور یقینِ محکم۔ قائد منزل کی جانب تنہا روانہ ہوتے تھے۔ مسلمانوں میں اتحاد پیدا کیا اور اتحاد کی برکات پر سب سے زیادہ زور دیا۔ اور اتحاد کی

بنا پر جدوجہدِ پاکستان میں کامیابی ہوئی، جس کی مثال نہیں ہے۔ پاکستان بغیر کسی بیرونی طاقت کے محض برصغیر کے مسلمانوں کی قربانی ہمت اور شجاعت کے نتیجے میں قائم ہوا۔ تنظیم اتحاد کے ذیل میں آتی ہے۔ قائدِ اعظم نے وقت کی بڑی قدر کی۔ میری دعا ہے کہ تمام بچّے پاکستان کی تعمیر میں آگے بڑھیں اور ملک کو اتنا مضبوط بنائیں کہ کوئی اس کی جانب غلط نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ پاکستان ۲۷۔رمضان المبارک کو قائم ہوا۔ اس روز جمعۃ الوداع بھی تھا۔

دو نابینا طالبِ علم ملی نغمے کی سنگت میں ساز بجا رہے ہیں۔

شبِ قدر بھی تھی اور یومِ نزولِ قرآن بھی تھا۔ اللہ کی مصلحت تھی کہ پاکستان ۲۷۔رمضان المبارک کی تاریخ کو قائم ہوا۔ اس میں ہماری کوشش کا دخل نہیں، عالمِ اسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اس لیے ہمیں اس تاریخ کا احترام کرنا چاہیے اور ۲۷۔رمضان ہی کو یومِ پاکستان منانا چاہیے۔ اس موقع پر آپ لوگوں کے نام میرا پیغام ہے: "پاکستان سے محبّت کرو، پاکستان کی تعمیر کرو۔" ہم آزاد قوم کے افراد ہیں اور آزاد قوم ہمیشہ بلندی کی طرف جاتی ہے۔ رخ آسمان کی طرف ہوتا ہے۔ آزادی بڑی نعمت ہے۔ ہمیں آزادی کی قدر اور حفاظت کرنی ہے تاکہ کوئی ملک اسے غلط نگاہ سے نہ دیکھے۔ ہم میں اتنی طاقت ہونی چاہیے کہ اگر کوئی غلط نگاہ سے دیکھے تو ہم اس کی آنکھ نکال سکیں۔

اس کے بعد طلبہ اور طالبات نے ایک ملّی نغمہ سُنایا۔ اس کے بعد معلوماتِ عامہ کا پروگرام قائدِ اعظم

کوئز شروع ہوا، جس میں نونہالوں نے بڑی دل چسپی اور بڑے جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا۔ اور قائد کی زندگی کے بارے میں سوالات کے جوابات دیے۔ قائد اعظم کی جائے پیدائش، والدہ محترمہ کے نام اور تعلیم کے متعلق سوالات کیے۔ جوابات کچھ نونہالوں نے غلط اور کچھ نے صحیح دیے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ قائد اعظم کا عقیقہ حسن پیر میں ہوا۔ قائد اعظم نے گوندل کی تجارت کی۔ ان کے پسندیدہ کھیل کنچے (گولیاں)

جھلکیاں

★ اس بار بزم ہمدرد نونہال میں زیادہ کرسیوں کا انتظام کیا گیا تھا اور تمام کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔

★ اس بار بھی بہت سے نونہالوں نے آٹو گراف لینے کے لیے جناب حکیم محمد سعید کو گھیر لیا۔ حکیم صاحب نے بڑی شفقت سے ان کو آٹو گراف دیے۔

★ حکیم صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ میں نے وقت کی پابندی مولانا اشرف علی تھانوی صاحب سے سیکھی ہے۔ لوگ مولانا کو دیکھ کر اپنی گھڑیاں ملا لیتے تھے۔ جناب مسعود احمد برکاتی نے اپنی تقریر میں کہا کہ حکیم صاحب بھی وقت کے اتنے پابند ہیں کہ لوگ ان کو دیکھ کر بھی گھڑیاں ملا لیتے ہیں۔

★ حکیم صاحب نے بچّوں کی تعریف کی کہ وہ ٹھیک وقت پر بزم میں آتے ہیں۔ برکاتی صاحب نے کہا کہ بڑوں کے جلسے خاص طور پر شادیاں بہت دیر سے شروع ہوتی ہیں۔ اگر ان کا انتظام بھی بچّوں کو دے دیا جائے تو شاید اتنا وقت ضائع نہ ہو۔

کرکٹ اور بلیرڈ تھے۔ اس مقابلے میں جن نونہالوں کو اوّل، دوئم اور سوئم انعامات ملے اُن کے نام یہ ہیں: (۱) نُزہ اسلم (پانچ سو رُپے) (۲) شگفتہ ناز (تین سو رُپے) (۳) محمد راحیل کامران (دو سو رُپے)

اس کے بعد قائد اعظم کے تین اصول اتحاد، تنظیم اور یقینِ محکم کی علامت کے طور پر کیک پر لگی ہوئی تین بڑی بڑی موم بتیاں روشن کی گئیں۔ قائد اعظم کی ۱۰۹ ویں سال گرہ کی مناسبت سے بچّوں نے ۱۰۹ موم بتیاں روشن کیں۔ اس موقع پر قائد کی سال گرہ کے کیک کے ساتھ ایک نونہال احمر فرید کی سال گرہ کا کیک بھی کاٹا گیا۔ آخر میں بچّوں کے محبوب مصنّف جناب مسعود احمد برکاتی نے اپنی تقریر میں کہا کہ:

"آج کی بزم خصوصی اہمیت رکھتی ہے، کیوں کہ یہ پاکستان کے بانی اور بابائے ملّت کے نام سے منسوب ہے۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے بکھری ہوئی قوم کو سمیٹا، متحد کیا اور ایک مقصد دے کر قوم میں ایک ایسا جذبہ پیدا کیا، جس کی مثال نہیں ملتی۔ قائد اعظم نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت سے دو بڑی طاقتوں کا مقابلہ کیا اور اس مقابلے میں مسلمانوں کو جتایا۔ قائد اعظم نے ہمیں آزادی دلائی۔ یہ کوئی آسان

قائد اعظم کوئز

کام نہیں تھا۔ اس کے لیے ان کو اَن تھک کام کرنا پڑا۔ ان کی صحت اچھی نہیں تھی، لیکن انھوں نے اس کی پروا نہیں کی۔ آزادی کے لیے رات دن کام کرتے رہے اور آزادی کے بعد بھی انھوں نے محنت نہیں چھوڑی، بلکہ آزاد پاکستان کو مستحکم کرنے اور اس کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لیے اور زیادہ محنت سے کام کیا۔ پاکستان بنا تو قائدِ اعظم کی صحت پہلے سے خراب ہو چکی تھی اور ان کو سخت آرام کی ضرورت تھی۔

جناب حکیم محمد سعید نزہ اسلم، شگفتہ ناز اور راحیل کامران کو انعامات دے رہے ہیں۔

جناب حکیم محمد سعید اور جناب مسعود احمد برکاتی —— خوش خوش

معالج بھی ان کو علاج اور آرام کرنے کا مشورہ دے رہے تھے، لیکن اپنی دوا سے زیادہ ان کو قوم کی دوا کی ضرورت تھی۔ وہ علالت کے بستر پر بھی ہر لمحہ پاکستان کے لیے ہی سوچ رہے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح انھوں نے پاکستان پر اپنی جان قربان کر دی۔ اس سے بڑا احسان کوئی کسی پر کیا کر سکتا ہے۔ اس احسان کو ماننا ہمارا فرض ہے، مگر ہم احسان کیسے مانیں یا احسان ماننے کا اظہار کیسے کریں تو اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ ہم قائدِ اعظم کے پاکستان کو قائم رکھ کر اس کو قائدِ اعظم کی آرزوؤں اور اصولوں کے مطابق بنا کر اپنی احسان مندی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ ہم آزادی کی قدر و قیمت پہچانیں اور آزادی کا حق ادا کریں۔ آزادی کا حق ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم آزاد قوم کے طور طریقے اختیار کریں۔ آزاد قومیں اپنے وطن سے محبّت کرتی ہیں اور اس محبّت کے تقاضے پوری کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک تقاضا یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص محبّت کرنے کی عادت ڈالے اور اپنے لیے، اپنے خاندان کے لیے محبّت کرنے کے علاوہ پاکستان کے لیے بھی محبّت کرے۔ اپنے ذاتی فائدے کے لیے کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے پاکستان کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ پاکستان کو ہر اس کام سے نقصان پہنچ سکتا ہے، جس سے پاکستان کے کسی آدمی کو نقصان پہنچے۔ چاہے وہ امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا، ایک صوبے کا ہو یا دوسرے صوبے کا۔ ایک زبان بولتا ہو یا دوسری۔ ہمارے قائد محنت کرتے تھے، ہمیں بھی محنت کرنی چاہیے۔ ہمارا اصول یہ ہونا چاہیے کہ پہلے کام پھر آرام۔ نونہال سب سے زیادہ اپنی تعلیم پر محنت کریں۔ خوب پڑھیں اور علم میں کمال حاصل کریں اور پھر اس علم سے قوم کو فائدہ پہنچائیں۔

معلوماتِ عامّہ ۲۳۸

اس بار بھی سوالات کی تعداد بارہ ہے۔ دس یا زیادہ صحیح جوابات والوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ تصویریں نہ ہوئیں تو ان کے نام اور ۹ صحیح جوابات والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۱۵۔ فروری ۸۶ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے کاغذ پر نیچے اپنا نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے۔ تصویر کے پیچھے بھی اپنا نام اور شہر یا گاؤں کا نام صاف صاف لکھیے۔ نام پتا جوابات کے پیچھے نہیں بلکہ نیچے لکھیے۔ پتا لفافے پر نہ لکھیے۔

۱۔ عید کی نماز میں عام نمازوں سے کتنی زیادہ تکبیریں واجب ہیں؟

۲۔ مرزا اسد اللہ خان غالب کا انتقال ۱۵۔ فروری ۱۸۶۹ء کو ہوا تھا، بتائیے غالب سے پہلے اُن کا تخلص کیا تھا؟

۳۔ بادشاہ جہانگیر کے بیٹے کا نام کیا تھا جو خود بھی بادشاہ بنا؟

۴۔ جلال الدین فیروز کس شاہی خاندان کا بانی تھا؟

۵۔ بتائیے شاہ یمن کون تھا؟

۶۔ نمازِ جنازہ کون سا فرض ہے؟

۷۔ مصر کے سب سے پہلے مسلمان حاکم کون صاحب تھے؟

۸۔ قائدِ اعظم کس سنہ میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے ہندُستان واپس آئے تھے؟

۹۔ "آل انڈیا مسلم لیگ" کب قائم ہوئی تھی؟

۱۰۔ کیا کلفٹن کراچی کی بندرگاہ ہے؟

۱۱۔ بتائیے "نواب اعظم یار جنگ بہادر" کس کا خطاب تھا؟

۱۲۔ آپ نے ورجل (VIRGIL) کا نام سُنا ہو گا۔ بتائیے وہ کیا تھا؟

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین پر حیات ممکن ہوئی!

حیات انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انسان کی انفرادیت وشخصیت اور اعمال ووظائف کی تکمیل اور خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔

روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور کر دیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔

لحمینا بجاطور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابلِ اعتماد غذائی معاون ہے۔

لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشوونما کو برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔

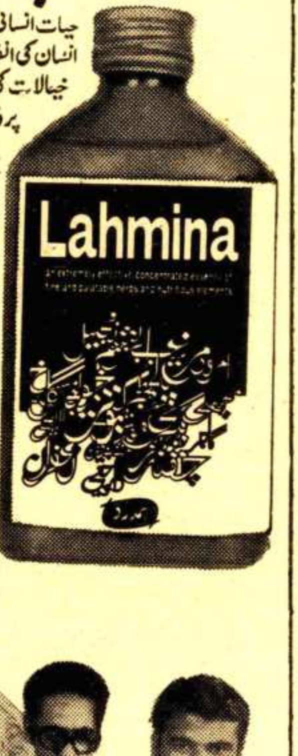

خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک

لحمینا — برائے اسٹیمنا

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

احسان کا بدلہ نہ ادا کر سکو تو شکریہ ادا کرو۔

Adarts LA-1/81

★ ایک صاحب کی عادت تھی کہ رات کو دیر سے گھر آتے اور اپنے دونوں جوتے باری باری اُتار کر فرش پر مارتے۔ ان کے پڑوس میں ایک بوڑھا آدمی رہتا تھا۔ ایک دن اُس نے ان صاحب کو منع کیا کہ ایسا نہ کیا کریں، میری نیند خراب ہوتی ہے۔ ان صاحب نے اُن سے وعدہ کر لیا کہ آیندہ ایسا نہیں کروں گا۔ اس دن رات کو وہ واپس آئے تو انھوں نے ایک جوتا اُتار کر فرش پر مارا، لیکن فوراً ہی بوڑھے کی بات یاد آگئی۔ انھوں نے دوسرا جوتا آہستہ سے اُتار کر نیچے رکھ دیا۔ صبح جب دونوں پڑوسی ملے تو بوڑھے کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، بے چارہ رات بھر اس انتظار میں جاگتا رہا تھا کہ دوسرے جوتے کی آواز بھی آجائے تو اطمینان سے سو سکوں۔ مرسلہ: عابد حسین، نواب شاہ

★ ایک ہوٹل کے دروازے پر آویزاں تختی پر تحریر تھا: "کھانا آپ کھایئے، بل ہم آپ کے پوتے سے وصول کریں گے۔"

ایک آدمی بورڈ پڑھ کر ہوٹل میں داخل ہوا اور کھانا کھانے لگا۔ کھانا کھا چکا تو بیرا بل لے آیا۔ "میاں، تم نے تو بورڈ پر لکھا ہے کہ کھانا آپ کھایئے، بل ہم آپ کے پوتے سے وصول کریں گے۔"

بیرا: مگر حضور، یہ بل آپ کا تھوڑی ہے یہ تو آپ کے دادا جان کھا کر گئے تھے۔ مرسلہ: محمد شعیب، صوابی

★ کتبے تیار کرنے والا ایک شخص ایک ڈاکٹر کی دکان کے پاس رہتا تھا۔ ایک دن ڈاکٹر نے ازراہِ مذاق اس سے کہا، "تم تو ہمیشہ دعا کرتے ہو گے کہ جلدی سے کوئی شخص مرے اور تمھیں کتبہ بنانے کا آرڈر ملے۔"

کتبے والے نے جواب دیا، "مجھے دعا کرنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔ مجھے جیسے ہی علم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی آپ کے زیرِ علاج ہے تو میں اس کا کتبہ بنانا شروع کر دیتا ہوں اور آج تک مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔"

مرسلہ: وسیم احمد، گھوٹکی

★ کل رات سرکس میں بھگدڑ مچ گئی، کیوں کہ ایک شیر پنجرے سے نکل بھاگا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"ہر شخص بھاگ کھڑا ہوا، صرف رِنگ ماسٹر کا حوصلہ باقی رہا۔"

"اچھا!"

"ہاں، وہ فوراً شیر کے خالی پنجرے میں جا گھسا اور اندر سے دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔" مرسلہ: پرنم جان، کراچی

★ استاد: ہم نے ہندسے عربوں سے لیے ہیں، جنتری رومنوں سے بینک کاری کا نظام اطالویوں سے لیا۔ زاہد، تم کوئی اور چیز بتا سکتے ہو؟

زاہد: جی، ہم نے اپنی استری رحمان صاحب سے لی ہے اور جھاڑو مسز بیگ سے۔ مرسلہ: سید شاہ خورشید انور حسین، کراچی

★ خالد: مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔

ناصر: کیا تم رات کو دروازہ بند کر کے سوتے ہو؟

خالد: ہاں۔

ناصر: تو پھر نیند بے چاری کہاں سے آتی؟

★ پروفیسر صاحب: غلطی اور حماقت میں کیا فرق ہے؟

اشفاق: اگر آپ مسجد میں اپنا پرانا جوتا بھول کر کسی کا نیا جوتا پہن آئے تو اسے غلطی کہتے ہیں۔ اگر نیا جوتا بھول کر کسی کا پرانا جوتا پہن کر آئیں تو اسے حماقت کہتے ہیں۔

مرسلہ: پرشوتم جاپانی، جیکب آباد

★ آدمی: (ایک بچّے سے) تمھارا خاندان کون سا ہے؟

بچّہ: جانوروں کا۔

آدمی: وہ کیسے؟

بچّہ: میری امی مجھے اُلّو کہتی ہیں، ابا جان گدھا کہتے ہیں، ماسٹر جی بھالو کہتے ہیں اور دادا ابا کہتے ہیں کہ شیر ہے شیر۔ مرسلہ: محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

★ جیل کے افسر نے نئے قیدی سے پوچھا، "تم یہاں کیوں لائے گئے ہو؟"

قیدی بے نیازی سے بولا، "جی حافظے کی کم زوری کی وجہ سے۔"

"حافظے کی کم زوری؟ میں سمجھا نہیں۔"

"دراصل میں چوری کرتے وقت یہ بھول گیا تھا کہ اس گھر کے قریب تھانہ بھی ہے۔"

مرسلہ: ملک عاشق حسین اترا، لیّہ

★ ایک نوجوان چاند ہوٹل گیا۔ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے دوران زور زور سے کھنکارنے اور ناک صاف کرنے کے ساتھ ساتھ عجیب و غریب آوازیں نکالنی شروع کر دیں۔ مینیجر سے رہا نہ گیا۔ وہ اس کے پاس گیا اور بولا، "کیا تمھیں اس سے پہلے کسی عمدہ ہوٹل میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا؟"

"ہوا ہے۔"

"وہاں بھی تم نے یہی حرکت کی تھی؟"

"ہاں۔"

"انھوں نے تم سے کچھ نہیں کہا؟"

"کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا؟"

"انھوں نے کہا تھا کہ اگر ایسی حرکت کرنی ہو تو چاند ہوٹل میں جا کر کیا کرو۔" مرسلہ: نام نامعلوم

★ ایک کلاس کے بچّوں کو "موٹر کار" کے عنوان پر ۲۰۰

الفاظ پر مشتمل مضمون لکھنے کی ہدایت کی گئی۔ ایک بچّے کا مضمون اس طرح تھا: میرے پاپا نے پچھلے ہفتے کار خریدی۔ کار کسی طرح اسٹارٹ نہیں ہوتی۔ یہ ۱۶ الفاظ ہیں۔ ۱۸۴ الفاظ وہ ہیں، جو پاپا نے گاڑی کی شان میں کہے جنھیں میں لکھ نہیں سکتا۔ مرسلہ: دل عزیز صدیقی، کراچی

★ ایک صاحب کافی عرصے کے بعد اپنے گاؤں پہنچے۔ راستے میں ان کو اپنا نوکر مل گیا۔ نوکر سے انھوں نے گھر کے حالات پوچھے تو نوکر بولا، "سب خیریت ہے، بس آپ کا کتّا مر گیا۔"

وہ صاحب بولے، "میرا کتا مر گیا! کیسے؟"

"جناب! آپ کے گھوڑے کا گوشت کھا کر کیسے زندہ رہتا۔"

"میرا گھوڑا مر گیا! وہ کیسے؟"

"بھوک سے مر گیا۔"

"بھوک سے مر گیا! اور جو میں اس کے کھانے پینے کے لیے پیسے دے گیا تھا وہ کیا ہوئے؟"

"وہ تو آپ کی والدہ کے کفن میں لگ گئے۔"

"کیا میری امّی کا انتقال ہو گیا؟"

"جی ہاں! وہ دو ماہ کے پوتے کا غم برداشت کیسے کرتیں۔"

"میرا بچّہ بھی مر گیا؟"

"ماں کے بغیر بچّہ کیسے زندہ رہتا۔"

"تو میری بیوی بھی چل بسی۔"

"جناب، گھر کی چھت گری تو وہ کیسے بچتیں۔"

"کیا میرے گھر کی چھت بھی گر گئی؟"

"جی ہاں، ویسے باقی سب خیریت ہے۔"

مرسلہ: صدیقی، کراچی

★ استاد: لفظ موسلا دھار کو اپنے جملے میں استعمال کرو۔

ارشد: مجھے موسلا دھار کے معنی نہیں معلوم۔

استاد: موسلا دھار کے معنی ہیں بہت زور سے یا بہت تیزی سے۔

ارشد: کل میں موسلا دھار دوڑتا ہوا اسکول آیا۔

مرسلہ: نامعلوم

★ ملّا نصر الدین نے جس عورت سے شادی کی تھی وہ بیوہ تھی۔ اس کے تین شوہر مر چکے تھے۔ ملّا چوتھے شوہر تھے۔ ایک دفعہ ملّا سخت بیمار پڑ گئے۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ بیوی کو معلوم ہوا کہ ملّا کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے تو وہ رونے لگی اور ملّا کے سرہانے بیٹھ کر بولی، "ہائے میں کیا کروں! تم مجھے کس کے سپرد کیے جا رہے ہو؟"

ملّا نے فوراً جواب دیا، "پانچویں شوہر کے۔"

مرسلہ: صالحہ جبیں

★ بادشاہ: (مسخرے سے) اچھا ہوا تم آ گئے۔ اس وقت میرا جی کسی مسخرے سے باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا۔

مسخرہ: میں بھی یہی سوچ کر حاضر ہوا ہوں۔

مرسلہ: فیصل اعجاز احمد، کراچی

اس شمارے کے مشکل الفاظ

نونہالوں کی خواہش پر ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا جارہا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔ یہ اشارے اس طرح لکھے ہوں گے، ع: عربی، ف: فارسی، ہ: ہندی، س: سنسکرت، ت: ترکی، انگ: انگریزی، ا: اردو۔

آمیزش :(ف) آ مے زِ شْ : ملانا، اختلاط۔

زاویہ :(ع) زَ ا وِ یَہْ : کونا، گوشہ، دو خطِ مستقیم کے ایک نقطے پر ملنے سے جو کونا بنے۔

نحوست :(ع) نُحُوْ سَت : بدنصیبی، کم بختی، منحوس ہونا۔

بیضوی :(ع) بَے ضَوِ ی : انڈے کی شکل کا گول، وہ دائرہ جو انڈے کی شکل کا ہو۔

قطر :(ع) قُطْ رْ : وہ خطِ مستقیم جو دائرے کے مرکز سے گزر کر اسے دو حصّوں میں تقسیم کر دے۔

مجتمع :(ع) مُجْ تَمَعْ : اکٹّھا ہونے والا، جمع ہونے والا۔

تبخیر :(ع) تَبْ خِیْ ر : بُو اٹھنا، بھاپ اُٹھنا، بھاپ بننا، ایک بیماری کا نام۔

اخراج :(ع) اِخْ رَ اجْ : نکالنا، خارج کرنا، شہر بدر کرنا۔

افق :(ع) اُ فُ قْ : آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

ضمن :(ع) ضِمْ نْ : اندر، شمول، شرکت۔

جحم :(ع) حَجْ مْ : جسامت، جُثّہ، مُٹاپی۔

مہلک :(ع) مُہْ لِکْ : ضرر رساں، خطرناک۔

منشا :(ع) مَنْ شَا : سبب، مقصد، ارادہ۔

پرستش :(ف) پَرَ سْ تِشْ : اطاعت، عبادت، پُوجا۔

ثمر :(ع) ثَ مَ رْ : پھل، میوہ، نیک نتیجہ۔

مشکور :(ع) مَشْ کُوْ ر : پسندیدہ، ممنون، شکر گزار۔

شرمسار :(ف) شَرْ مْ سَا رْ : شرمندہ، نادِم۔

روش :(ف) رَ وِ شْ : طور طریق، باغ کی پٹڑی۔

دارالحکومت :(ع) دَارُلْ حُکُوْ مَتْ : وہ شہر جہاں صدر اور وزیرِ اعظم اور حکومت کے دفتر ہوتے ہیں۔

تعیُّن :(ع) تَ عَیْ یُنْ : مخصوص ہونا، معین کرنا۔

مشغول :(ع) مَشْ غُوْ ل : مصروف، کام میں لگا ہوا۔

دوبالا :(ف) دُوْ بَا لَا : دُگنا، دوچند۔

قلقاری :(ع) قِل قَا رِی : بے زبان بچّوں کی ہنسی جو آواز کے ساتھ ہو۔

افراط :(ع) اِفْ رَا طْ : زیادتی، حد سے گزرنا، بہت زیادہ کرنا۔

تفریط :(ع) تَفْ رِ یطْ : کمی، کوتاہی۔

انعام یافتہ کہانیاں

خاص نمبر (ستمبر ۱۹۸۵ء) میں انعامی کہانیوں کے مقابلے کا اعلان کیا گیا، اس میں جو کہانیاں اول، دوم اور سوم آئی تھیں وہ یہاں شائع جا رہی ہیں ۔

اول انعام یافتہ کہانی

دُور دُنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے

نجم السحر ، ٹنڈو محمد خان

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
دُور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

بہت عرصے بعد گاؤں کے اسکول کے در دیوار سے یہ آواز بلند ہوئی تو گاؤں کے تمام لوگ اسکول کی طرف متوجہ ہو گئے ۔ طلبہ لہک لہک کر دعا پڑھ رہے تھے ۔ ان کے شگفتہ چہروں سے خوش بُو پھوٹ رہی تھی ۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ بہت عرصے بعد انھیں کوئی خوشی نصیب ہوئی ہو، مگر ان کی نظریں بار بار نہ جانے کیوں دروازے کی طرف اُٹھ رہی تھیں ۔ باہر گاؤں کے لوگ معصوم بچّوں کی آواز سے ایک دل فریب سرور محسوس کر رہے تھے ۔ مگر انھیں نہ جانے کیوں ایک انجانا سا خوف محسوس ہو رہا تھا ۔ ان کے کان بچّوں کی معصوم آواز سُن رہے تھے ۔ ان کی نگاہیں حویلی کے بڑے گیٹ کی طرف لگی ہوئی تھیں ، جو بالکل اسکول کے برابر میں ہے ۔ ان کا انجانا سا خوف پورا ہوتا نظر آیا اور حسبِ معمول حویلی کا گیٹ کھُلتے ہی گاؤں کا وڈیرہ علی بخش غُصیلے انداز میں اپنے نوکروں کے ساتھ اسکول کی طرف بڑھنے لگا ۔ گاؤں والوں کی نظروں میں پھر وہی ڈراما گھومنے لگا جو ہمیشہ وڈیرے کے گماشتے کرتے تھے ۔ جب بھی کوئی نیا ماسٹر اسکول میں آتا وڈیرہ اُسے اسکول میں نہ ٹکنے دیتا اور وہ ہمیشہ کی طرح یہ بہانہ بناتا کہ صبح صبح بچّوں کی آواز سے نیند خراب ہوتی ہے، مگر گاؤں والوں کو وڈیرے کی اسکول دشمنی کا اصل سبب معلوم تھا ۔ وہ جانتے تھے کہ جب بھی اسکول کی منظوری کے آرڈر آتے وہ اسکول کو گاؤں میں نہ بننے دیتا ۔ وڈیرہ کی یہ سوچ تھی کہ اگر گاؤں کے غریب لڑکے جو کہ زیادہ تر وڈیرے کی زمین پر کام کرنے والے ہاریوں وغیرہ کے بچّے تھے پڑھ گئے تو اُس کے لیے خطرہ بن جائیں گے اور اپنے حقوق مانگنے لگیں گے ۔

گاؤں کا ایک ضعیف شخص جس کا مکان حویلی کے برابر میں تھا اور وہ اس دنیا میں اپنے اکلوتے بیٹے قادر کے انتقال کے بعد اکیلا تھا ۔ اُس کے بیٹے کا انتقال شہر میں ایک حادثے میں ہو گیا تھا ۔ اس وقت وہ ڈاکٹری کے آخری سال

میں تھا۔ لہٰذا اس ضعیف کی وصیت کے مطابق اس کے مکان میں اسکول کھول دیا گیا۔ بس حویلی کے برابر میں اسکول کے کُھل جانے نے وڈیرے کو اور بھڑکا دیا تھا۔

آج بھی شہر سے ایک نیا نوجوان ماسٹر آیا تھا جس کے چہرے سے شرافت، ہمّت اور علم کی روشنی پھیلانے کا عزم جھلک رہا تھا۔ اس نے وڈیرے سے بے خبر بچّوں کو دعا اور ترانہ بلند آواز سے پڑھنے کو کہا تھا۔ طلبہ دعا پڑھ رہے تھے کہ دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گئے۔ اور سہم گئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ ماسٹر صاحب کی نظریں جونہی دروازے کی طرف گئیں تو انھوں نے ایک لمبی مونچھوں والے شخص کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ اس نے اندر آتے ہی غصّے سے چیخ کر کہا، "ان بھونکتے ہوئے کتّوں کی آواز کو بند کرو، ورنہ ......" بچّوں نے دیکھا کہ دوسرے استادوں کے مقابلے میں ماسٹر صاحب ذرّہ برابر خوف زدہ نہ ہوئے اور پوچھا، "آخر کیوں؟" وڈیرے نے خوں خوار آواز میں کہا، "نئے آئے ہو۔ اچھا جلد سمجھ جاؤ گے۔" یہ کہتے ہوئے وہ واپس چلا گیا۔

اس واقعے کی وجہ سے چھٹی تک ماسٹر صاحب سوچ میں رہے۔ مگر انھوں نے طلبہ پر بالکل ظاہر نہ ہونے دیا۔ چھٹی کی گھنٹی بجنے کے بعد ماسٹر صاحب رجسٹر وغیرہ اُٹھا کر جونہی دروازے کی طرف بڑھے تو انھوں نے دیکھا کہ چند طلبہ اب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ماسٹر صاحب کو جاتا دیکھ کر وہ فوراً ماسٹر صاحب کے قریب آئے۔ ان میں سے ایک بہت چھوٹے سے بچّے نے کہا، "سائیں، آپ جائیں گے تو نہیں؟ سائیں، آپ ہمیں پڑھائیں گے نا؟" ایک بڑا لڑکا فوراً آگے آیا اور کہا، "سائیں، آپ چلے جائیں، آپ چلے جائیں ورنہ وڈیرہ آپ کو نہیں چھوڑے گا۔"

"لیکن کیوں؟ آخر کیوں؟ میں تو یہاں ان معصوم چراغوں کو روشن کرنے آیا ہوں۔" ماسٹر صاحب نے کہا۔ آخر ماسٹر صاحب کے پوچھنے پر لڑکوں نے ساری صورتِ حال بتا دی۔ ماسٹر صاحب اُٹھے اور بوجھل قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ وہ سوچوں میں گم تھے۔ ان کا ذہن بھٹک رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کیا اس ترقی یافتہ دور میں بھی ایسی سوچوں والے لوگ موجود ہیں جو اپنے مفاد کی خاطر قوم کے معصوم بچّوں کے مستقبل کو تباہ اور مستقبل کے معماروں اور قوم کے ستونوں کو علم کی روشنی سے کھوکھلا اور ذہنی طور پر غلام رکھنا چاہتے ہیں۔

شام کو گاؤں کے کچھ لوگ آئے، جنھوں نے ماسٹر صاحب کو چلے جانے کا مشورہ دیا۔ اور وڈیرے کے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے متعلق بتایا، جس سے سارا گاؤں پریشان تھا۔ گاؤں کے لوگوں کے جانے کے بعد ماسٹر صاحب کو وڈیرے علی بخش کی طرف سے دھمکی آمیز خط ملا کہ صبح تک واپس لوٹ جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ ماسٹر صاحب اس صورتِ حال سے پریشان ہو گئے۔ وہ نہ جانے کیا کیا خواب لے کر آئے تھے۔ وہ تو دیہات کے بچّوں میں علم کی شمع پھیلانے اور ان کے دلوں کو منور کرنے آئے تھے۔ یہی سوچ کر انھوں نے اپنے چھے سالہ بچّے عرفان اور بیوی کو بھی شہر سے اس دور دراز گاؤں میں بُلا لیا تھا اور وہ صبح پہنچنے والے تھے۔ انھوں نے سوچا، کیوں نہ واپس چلا جاؤں۔ انھی سوچوں میں گم وہ کمرے سے باہر نکل آئے اور میدان میں کھیلتے ہوئے بچّوں کو دیکھنے لگے۔ جب وہ ان کے قریب پہنچے تو وہ ان کے گرد جمع ہو گئے جیسے انھیں بہت عرصے سے جانتے ہوں، مگر سب بچّے سہمے ہوئے انداز میں کہہ رہے تھے کہ سائیں، جائیں گے تو نہیں۔ ماسٹر صاحب واپس نہ جانے کا مصمم ارادہ لیے لوٹ رہے تھے کہ حویلی کے گیٹ کے قریب انھوں نے ایک ننھا لڑکے کو کھڑے پایا، جو ان کھیلتے ہوئے بچّوں کو

حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ گاؤں میں انھوں نے اس لڑکے کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ انھوں نے اسے اپنی طرف بُلایا۔ وہ ڈر کر واپس جانے لگا۔ مگر ماسٹر صاحب کی شفقت بھری آواز سُن کر مڑا۔ ماسٹر صاحب نے اسے قریب بُلایا۔ نام پوچھا تو اس نے کہا "سید احمد بخش۔" "بیٹے، کہاں پڑھتے ہو؟"

"نہیں، نہیں۔ بابا سائیں مارتے ہیں۔ بابا سائیں ماریں گے۔" ماسٹر صاحب نے نہایت شفقت اور پیار سے گفت گو کی اور کھیلتے ہوئے بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "بیٹے، آپ یوں ان کے ساتھ نہیں کھیل رہے؟ جاؤ کھیلو۔" مگر نہ جانے وہ کیوں خوف محسوس کر رہا تھا۔ بہرحال ماسٹر صاحب اُسے گفت گو کرتے ہوئے اپنے کمرے میں لے آئے اور کتابوں کی تصویریں وغیرہ دکھانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ لڑکا ماسٹر صاحب سے کافی مانوس ہو گیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ محبّت کا بھوکا اور کسی شفیق سائے کی تلاش میں ہو اور وہ اسے مل گیا ہو۔ ماسٹر صاحب نے اُسے کچھ کتابیں دیں اور اسکول آنے کے لیے کہا۔

اگلی صبح ماسٹر صاحب اسکول پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ تمام طالب علم باہر کھڑے ہیں اور کسی کے ہاتھ میں کتابیں نہیں ہیں۔ ماسٹر صاحب قریب پہنچے تو وہ بہت حیران ہوئے، کیوں کہ توقع کے خلاف ماسٹر صاحب کے ہاتھ میں رجسٹر تھا اور وہ اسکول کی طرف آرہے تھے۔ اب تک جتنے بھی استاد آئے تھے وہ وڈیرے کی دھمکیوں اور خوف کی وجہ سے اگلے دن ہی واپس لوٹ گئے تھے۔ ماسٹر صاحب نے تمام طلبہ کو اپنی اپنی کتابیں لانے کو کہا۔ طلبہ کتابیں لانے کو گھر کی طرف چل دیے۔
یکایک ماسٹر صاحب کی نگاہیں جب حویلی کی طرف گئیں تو انھوں نے دیکھا کہ ایک بچّہ کتابیں لیے اسکول کی طرف اس انداز میں آرہا ہے جیسے کہ وہ کسی سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہو۔ قریب آیا تو ماسٹر صاحب نے دیکھا کہ وہ وڈیرے کا لڑکا احمد بخش تھا۔ احمد کو ماسٹر صاحب کلاس میں لائے اور پڑھانے لگے۔ کچھ دیر بعد بقیہ طلبہ بھی اپنی اپنی کتابیں لے آئے۔ ماسٹر صاحب نے تمام لڑکوں کو مل کر دعا پڑھنے کو کہا۔ پہلے تو طلبہ کچھ خوف زدہ ہوئے مگر پھر پڑھنے لگے۔ احمد بھی شوق کے ساتھ بلند آواز سے ان کے ساتھ پڑھ رہا تھا مگر تمام طلبہ پریشان نظروں سے بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مگر توقع کے برخلاف وڈیرے نے آج کچھ بھی گڑبڑ نہ کی۔ احمد بخش ماسٹر صاحب کے رویے سے بڑا متاثر ہوا۔ چھٹی کے بعد وہ سہما سہما حویلی کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی زبان پر دعا کے الفاظ تھے اور وہ انھیں بلند آواز سے گنگناتا حویلی میں داخل ہوا اور اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

دُور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے

اچانک اس کے بابا سائیں کی خوف ناک آواز سنائی دی، "ابھی میں دنیا کا اندھیرا دُور کرواتا ہوں۔" اور ایک زور دار تھپڑ احمد کے چہرے پر پڑا "تُو وہاں کیوں گیا تھا۔" اور پھر بڑی تیزی سے پھول جیسے گالوں پر زور دار تھپڑوں کی بارش شروع ہو گئی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کسی نے شگفتہ کلی کو مسل دیا ہو۔ احمد سسکتا اور ہچکیاں لیتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور کمرے میں سے اپنی ماں کی تصویر سینے سے لگائے رونے لگا۔ ماں تم مجھے یہاں اکیلا کیوں چھوڑ گئی ہو؟ مجھے کیوں نہیں اپنے پاس بُلالیتیں؟ احمد ماں کی تصویر بازوؤں میں تھامے روتے روتے نہ جانے کب سو گیا۔

شام کے وقت اچانک اس کی آنکھ اس وقت کُھلی جب اس نے کسی معصوم بچّے کی چیخ اور رونے کی آواز سُنی۔ آواز

اوپر کے کمرے سے آرہی تھی۔ احمد ہمت کر کے اُٹھا اور اوپر کی طرف جانے لگا۔ وہ بابا سائیں کے کمرے کے قریب سے گزرنے لگا تو اُسے اپنے بابا کی زور دار آواز سنائی دی:

"اس ماسٹر کے بچّے نے انکار کر دیا۔ اپنے بچّے کی خاطر بھی اس نے یہاں سے جانے سے انکار کر دیا ہے۔ بالکل بے وقوف ہے۔ ان جاہل بچّوں کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کرنے پر تیار ہو گیا ہے۔ ہیں اُسے ایسی سزا دوں گا اُس کی نسلیں تک یاد رکھیں گی۔"

اور پھر اس نے اپنے نوکر شیرے کو کچھ ہدایات دیں۔ احمد نے جب اپنے بابا کی خوف ناک باتیں سُنیں تو خوف سے اس کا رواں رواں کانپ گیا۔ ماسٹر صاحب کا شفقت بھرا چہرہ اور ان کے بچّے کی چیخیں احمد کے دماغ میں گھومنے لگیں۔ نہیں، میں ایسا نہیں ہونے دوں گا اور اس کے ذہن میں ایک منصوبہ بننے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ معصوم بچّوں کے مستقبل کی خاطر ماسٹر صاحب کا رہنا ضروری ہے۔

دوسری صبح ماسٹر صاحب جو نہی رجسٹر تھامے اسکول جانے لگے تو بیوی نے رو رو کر کہا، آخر آپ میرے عرفان کو کیوں تلاش نہیں کرتے، اسے کون لے گیا ہے، دیکھو ساری رات روتے روتے کیا حال ہو گیا ہے۔ آخر تم تلاش کیوں نہیں کرتے۔ وہ کون لوگ تھے۔ میں بس سے اُتر کر عرفان کی انگلی تھامے اس طرف آ رہی تھی تو دو افراد ایک دم اسے اٹھا کر ایک گاڑی میں بٹھا کر لے گئے تم وڈیرے کے پاس جاؤ، یقیناً وہ تمھاری مدد کرے گا۔ تم اسکول کو چھوڑو، اپنے بچّے کی فکر کرو۔

ماسٹر صاحب پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے سے نکل کر حویلی کی طرف بڑھنے لگے، مگر جب انھوں نے اسکول کے باہر معصوم بچّوں کو ہاتھ میں کتابیں لیے کھڑا پایا تو وہ نہ جانے کیا سوچ کر اسکول کی طرف بڑھ گئے۔ اور کلاس میں تمام طلبہ کے داخل ہونے کے بعد ماسٹر صاحب نے دعا بلند آواز سے پڑھنے کو کہا۔ ابھی وہ دعا شروع کرنے ہی والے تھے کہ احمد دوڑا دوڑا آیا اور کہا کہ سائیں، دعا آج میں پڑھاؤں گا اور ماسٹر صاحب کے قریب کرسی کے برابر کھڑا ہو کر بلند آواز سے دُعا پڑھنے لگا اور جیسے ہی احمد کی زبان سے یہ الفاظ۔ "دُور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے" دروازے کے باہر سے ریوالور سے گولیاں نکلیں اس سے پیش تر کہ وہ ماسٹر صاحب کو لگتیں احمد "سائیں" کی آواز کے ساتھ ماسٹر صاحب پر گر گیا اور احمد کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو گیا۔ ماسٹر صاحب نے فوراً بڑھ کر احمد کو اپنے بازوؤں میں تھاما تو اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے: "دُور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے۔"

اپنے ہی ہاتھوں اپنے اکلوتے بیٹے کی موت کا سُن کر وڈیرہ علی بخش پر دل کا دورہ پڑا اور وہ دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ مگر نئی صبح اسکول کے در و دیوار سے یہ آواز دل آویز انداز میں بلند ہو رہی تھی:

دُور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے

دوم انعام یافتہ کہانی

نئی روشنی

رؤف احمد خاں، بہاول پور

کرمو ایک غریب کسان تھا۔ اس کے گاؤں میں ابھی علم کی روشنی نہیں پہنچی تھی۔ زمین دار ظالم تھا۔ ہر وقت اپنی رعایا پر

ظلم کرتا رہتا تھا۔ کرمو طویل عرصے سے اپنے مالکوں کی خدمت میں لگا ہوا تھا۔ ابھی تو عمر ہی تھا کہ باپ نے اپنے ساتھ اُسے بھی کام پر لگا لیا۔ کرمو دن رات اپنے مالکوں کی خدمت کرتا تھا۔ پہلے تو وہ اپنے باپ کی مدد کیا کرتا تھا۔ پھر ایک سرد رات جب اس کا باپ دکھوں سے چھٹکارا پا گیا تو وہ اکیلا بڑوں کی خدمت میں لگ گیا۔ کافی عرصے بعد اس نے ایک بے سہارا اور غریب عورت سے شادی کر لی اور جب اس کی اولاد ہونی شروع ہوئی تو کرمو کے لیے نئے مسائل پیدا ہو گئے۔ زمین دار کرمو کو اس کے خون پسینے کے بدلے بہت کم گندم دیتا تھا۔ کرمو نے گندم کی مقدار میں اضافے کی درخواست کی جو زمین دار نے نہایت دل شکن طریقے سے رَد کر دی۔

اور پھر دسمبر کی ایک سرد رات کو جب وہ کھیتوں میں پانی دے کر آیا تو آتے ہی بستر پر لیٹ گیا۔ اس کا پورا جسم درد سے دکھ رہا تھا۔ صبح وہ تیز بخار میں پھنک رہا تھا۔ اُس کی بیوی انتہائی پریشان ہو گئی۔ بچّے ابھی چھوٹے تھے۔ وہ گاؤں کے واحد اَتائی کے پاس جانے کا سوچ رہی تھی، لیکن پیش تر اس کے کہ وہ دوا لینے کے لیے جاتی، کرمو کے لیے زمین دار کا بُلاوا آ گیا۔ کرمو کو ساتھ والے زمین دار کے ہاں ایک پیغام پہنچانا تھا، جو انتہائی ضروری تھا۔ کرمو نے اپنی مجبوری کا اظہار کر دیا۔ پیغامبر نے کرمو کی حالت کا ذکر زمین دار سے جا کر کر دیا، لیکن زمین دار کے لیے پیغام اہم تھا، کرمو کی بیماری نہیں۔ چناں چہ اس نے حکم دیا کہ کرمو کو ابھی اور جس حالت میں ہو فوراً حاضر کیا جائے۔"

زمین دار کے حکم سے کرمو کو وہیں لایا گیا۔ زمین دار پر بھی کرمو کی حالت آشکار ہو گئی تھی، لیکن زمین دار نے کرمو کے انکار کو حکم عدولی سمجھ کر اس پر اسے بُرا بھلا کہا اور پھر جب جی ٹھنڈا ہو گیا تو دوبارہ وہی حکم ہوا، لیکن آج کرمو کی آنکھیں مکمل طور پر کُھل چکی تھیں کہ زمین دار کو صرف اور صرف اپنا حکم عزیز تھا۔ اس کے سامنے کرمو کی بیماری کچھ نہیں تھی۔ آج کرمو سب کچھ بُھلا بیٹھا اُس نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ "کرمو باغی ہو گیا ہے۔" زمین دار نے سوچا اور اس نے وہیں کھڑے کھڑے اُسے گاؤں چھوڑنے کا حکم دے دیا۔

یہی حکم ایک مرتبہ پہلے بھی اسے زمین دار نے دیا تھا، مگر کرمو نے رو دھو کر منت کر کے زمین دار کو منا لیا تھا، کیوں کہ اُسے یہاں کی زمینوں سے بے حد محبّت تھی۔ وہ اس علاقے کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اور زمین دار نے احسان جتاتے ہوئے اپنا حکم واپس لے لیا تھا لیکن آج کرمو کے لیے یہ حکم گویا طویل قید سے نجات پانے کے برابر تھا۔ آج وہ واقعی ایک قید سے نجات حاصل کر رہا تھا۔ زمین دار کے جبر و تشدّد کی قید سے۔ محکومی کی رات ڈھل رہی تھی۔

بیماری سے اگرچہ کرمو بے حال تھا، لیکن آج اُس نے اپنی تمام قوتوں کو آواز دی اور صرف قوّتِ ارادی کے سہارے سامان سمیٹتا رہا۔ آج اس کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں تھا۔ آج اس کی پیشانی پر فکر و تردد کی کوئی لہر نہیں تھی۔ البتہ اس کی بیوی کبھی کبھی ایک آدھ آنسو بہا لیتی تھی۔ ہاں بچّے ہر فکر ہر پریشانی سے آزاد تھے۔ ابھی چھوٹے تھے نا۔

اور جب سورج عین سروں پر چمک رہا تھا تو کرمو اپنے چھوٹے سے خاندان کے ساتھ بیل گاڑی پر سوار اس گاؤں کی آخری سرحدوں کو عبور کر رہا تھا۔

آسمان پر کہیں کہیں سفید اور سرمئی بادل تیر رہے تھے۔ ایسے جیسے کسی گہری جھیل میں بطخیں تیر رہی ہوں۔ بادل بعض اوقات سورج کے چہرے کو چھپا لیتے تھے۔ ایسے ہی وقت میں کرمو کے چہرے سے تھکن کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ بخار کی حالت

میں اس نے اس دھرتی کو چھوڑ دیا تھا جہاں اس کا بچپن کھیلا تھا۔ جہاں اس کی جوانی گنگناتی تھی اور اب جب وہ بڑھاپے کی سرحدوں میں داخل ہو رہا تھا تو اسے اس کی دھرتی سے اور یادوں سے محروم کر دیا گیا تھا، لیکن کرمو کے چہرے پر غم کے نشان بہت کم تھے۔

کرمو کو اپنی منزل کی خبر نہیں تھی۔ وہ ایک انجانی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ راستے میں انھیں ایک ندی عبور کرنی پڑی تھی جس پر ایک کم زور سا پُل بنا ہوا تھا۔ ندی کے دوسرے کنارے سے گھنا جنگل شروع ہوگیا تھا اور اب وہ جنگل میں سفر کر رہے تھے۔ کرمو آگے بیٹھا بیلوں کو ہانک رہا تھا۔ اس کی بیوی پیچھے بیٹھی بچّوں کو تھپک تھپک کر سُلا رہی تھی۔

بیل سر ہلاتے، گھنٹیاں بجاتے، کچے راستے پر بیل گاڑیاں گھسیٹ رہے تھے۔ سورج کافی سفر طے کر چکا تھا۔ سورج کے چہرے کو ایک بادل نے چھپا لیا اور کرمو نے سردی محسوس کرکے سامان سے بھیڑوں کے بالوں سے بُنا ہوا کمبل نکال کر اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا۔ کمبل نکالتے ہوئے سامان میں سے ایک بانسری نکل کر بیل گاڑی کے فرش پر گر گئی تھی۔ کرمو نے اُسے اُٹھا کر ہونٹوں میں دبا لیا۔ پھر اس کھوکھلی لکڑی سے موسیقی کی دل کش لہریں پھوٹ پڑیں۔ درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے حیران ہو ہو کر کرمو کو دیکھنے لگے جو دکھوں کے دریا کو عبور کرتے ہوئے بھی زندگی کے گیت گا رہا تھا۔

پھر سورج شام کی گود میں سو گیا۔ اس چھوٹے سے قافلے نے بھی ایک کھلی جگہ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ تاریکیاں پھیل رہی تھیں۔ اور سردی بڑھ رہی تھی۔ دونوں نے مل کر لکڑیاں جمع کرکے آگ روشن کی اور سردی کو ختم کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ کرمو پہلے بھی اس جنگل میں سفر کر چکا تھا اور اسے معلوم تھا کہ اس میں کوئی درندہ وغیرہ نہیں ہے۔ لہٰذا وہ آرام سے بے فکر ہو کر لیٹ گئے اور پھر نیند نے ان سب کو تھپک تھپک کر سُلا دیا۔

صبح سویرے جاگ کر وہ پھر بیل گاڑیوں میں سوار ہو کر انجانی منزل کی طرف چل دیے۔ وہ سورج کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ جنگل ختم ہوگیا۔ کھیت شروع ہو گئے، جو اس بات کی علامت تھے کہ آگے آبادی ہے۔ پھر آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔ جب دوپہر ختم ہو کر سہ پہر شروع ہوگئی تو وہ ایک گاؤں میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ پنجاب کا ایک ایسا گاؤں تھا جو ایک بڑے شہر کے بہت قریب ہونے کی وجہ سے نئی روشنیوں سے منور تھا۔ اس میں ہائی اسکول تھا۔ ایک ہسپتال اور بینک بھی تھا اور اس میں ایک بازار بھی تھا جس میں زندگی کی تمام ضرورتیں مل جاتی تھیں۔

گاؤں سے باہر سب سے پہلے اس قافلے کو اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب ملے۔ کرمو نے انھیں ان کے پوچھنے پر اپنی رام کہانی سنائی۔ وہ انھیں گاؤں کے چودھری کے پاس لے گئے۔ چودھری نے کرمو کو اسی وقت کام سے لگا دیا۔ یہاں کرمو نے خود کو نئے سرے سے آباد کیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب انتہائی شریف آدمی تھے۔ انھوں نے کرمو کی ہر مشکل میں بھرپور مدد کی۔ اس کے بچّوں کا اسکول میں داخلہ کرلیا۔

وقت گزرتا رہا۔ تینوں بچے تعلیم کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کرتے رہے۔ اسکول سے واپس آکر وہ اپنے باپ کی کھیتوں میں مدد کرتے۔ بڑے بیٹے کی اسکول کی تعلیم ختم ہوگئی تو ہیڈ ماسٹر صاحب کے کہنے پر اور بچے کے شوق کو دیکھ کر اُسے کالج میں داخل کرا دیا گیا۔ کالج سے وہ یونی ورسٹی میں چلا گیا۔ یونی ورسٹی کے بعد اس نے اعلا امتحان دیا اور نمایاں کامیابی حاصل کرکے عملی زندگی میں آفیسر بن کر آیا۔

کرموکے دوسرے بیٹے بھی پڑھتے رہے۔ وہ بھی علم کے میدان سے گزر کر عملی زندگی کے میدان میں آفیسر بن کر آئے۔ اب کرمو اکرام اللہ بن گیا تھا۔ کرمو کا ایک بیٹا دیہات کو ترقی دینے والی کارپوریشن کا اعلا افسر تھا۔ اسے اپنے باپ کی داستان پوری یاد تھی۔

اور آج پھر ایک طویل بہت ہی طویل عرصے بعد ایک مختصر سا قافلہ دیہاتی لباسوں میں ملبوس پرانی سی بیل گاڑی پر سوار جانے پہچانے راستوں پر محوِ سفر تھا۔ دو مقصد تھے۔ ایک تو آبائی گاؤں والوں کو حیران کرنا تھا۔ دوسرے بڑے بیٹے کو گاؤں کا "سروے" کرکے اس کی ترقی کے لیے کئی اقدام کرنے تھے۔ کرمو کے بوڑھے جھریوں بھرے ہاتھوں میں ایک پرانی میلی سی بانسری تھی جس کا ایک سرا اس کے ہونٹوں میں دبا ہوا تھا۔ اس کھوکھلی لکڑی میں سے دل کش مترنم لہریں پھوٹ رہی تھیں۔ کرمو زندگی کے گیت گا رہا تھا اور درختوں پر بیٹھے پرندے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

سوم انعام یافتہ کہانی

آزادی کی قیمت

سید سلیم اقبال احمد شمسی، کراچی

آج ننھے فیصل کی سال گرہ کا دن تھا۔ اسی وجہ سے وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اس کے ابّا نے آج اس کو بہت خوب صورت تحفہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وجہ سے وہ آج اسکول سے آنے کے بعد تیاری میں مصروف ہوگیا تھا۔ کمرے کو اچھی طرح سجانے کے بعد وہ خود تیار ہوگیا۔ نئے کپڑوں میں وہ بالکل شہزادہ لگ رہا تھا۔ اس کے ابّا نے ایک خوب صورت کیک بنوایا تھا۔ جس میں اس کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ سال گرہ کی تقریب خوب دھوم دھام سے ہوئی اور جب اس کے ابا نے اس کو تحفے میں ایک خوب صورت چڑیوں کا تحفہ دیا تو فیصل کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ فیصل کو شروع ہی سے جانوروں سے بہت دل چسپی تھی۔ چڑیوں کا جوڑا جب اپنے پنجرے میں اِدھر اُدھر اُڑتا تو اس کے خوب صورت پَروں کے رنگ نمایاں ہوجاتے۔

فیصل نے یہ پنجرہ اپنے کمرے میں کھڑکی کے سامنے رکھ دیا اور وہ روزانہ آتے جاتے ہوئے اس کو دیکھا کرتا اور گھنٹوں اس پنجرے کے سامنے بیٹھا اُن ننھی منّی چڑیوں کی حرکتوں پر غور کرتا رہتا تھا، یہاں تک کہ جب اسکول جاتا تو بھی اس کو ہر وقت چڑیوں کا ہی خیال رہتا اور جب گھر واپس آتا تو سب سے پہلے چڑیوں کو جاکر دیکھتا۔

ایک دن اسکول میں کھیلوں کے مقابلے ہو رہے تھے، جس کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسکول کی جلدی چھٹی کر دی۔ آج فیصل چڑیوں کو دانہ ڈالنا بھول گیا تھا۔ اسی لیے اس کو رہ رہ کر چڑیوں کا خیال آرہا تھا۔ فیصل کے بہت سے دوست کھیل دیکھنے کے لیے رُک گئے۔ انھوں نے فیصل سے بھی رُکنے کو کہا مگر فیصل نے منع کر دیا، کیوں کہ اُسے چڑیوں کی فکر تھی۔ گھر کے دروازے پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تو وہ سیدھا اپنے کمرے میں پہنچ گیا اور چڑیوں کو دیکھنے میں محو ہوگیا۔ وہ اس وقت چونکا جب کسی نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ فیصل بھاگتا ہوا کمرے کے دروازے پر آیا اور اس کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن دروازہ باہر سے بند تھا۔ اب فیصل بھاگ کر کھڑکی کی طرف آیا اور دیکھا کہ اس کی امی سڑک پر جا رہی تھیں۔ انھوں نے ایک رکشا روکا اور اس میں بیٹھ گئیں۔ اب فیصل کی سمجھ میں آیا کہ معاملہ کیا تھا۔ ہوا یوں کہ اس کی امی کو کہیں کام

سے جانا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ فیصل اسکول سے سیدھا نانی کے گھر پہنچ جائے، لیکن چوں کہ اسے چڑیوں کے دانے پانی کی فکر تھی اس لیے یہ بات یاد نہ رہی اور وہ جلدی چھٹی ملنے پر سیدھا گھر آ گیا۔ اس کی امی کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ انھوں نے فیصل کو کمرے میں بند کر دیا ہے۔

اب فیصل کو اس کمرے میں شام تک بند رہنا تھا جب تک اس کے ابو نہ آجائیں۔ وہ کمرے میں بالکل اسی طرح بند تھا جس طرح پنجرے میں چڑیاں بند تھیں۔ وہ بے اختیار رونے لگا۔ کافی وقت گزر گیا۔ اب اُسے بھوک لگنے لگی۔ کمرے میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ برابر والے کمرے میں فریج موجود تھا، لیکن وہ تو اپنے کمرے میں بند تھا۔ ایسے میں اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ میں تو ابھی کچھ دیر کمرے میں بند رہا ہوں تو اس قدر پریشان ہوں۔ یہ چڑیاں تو نہ جانے کتنے دنوں سے آزاد فضا میں سانس لینے سے محروم ہیں۔ وہ بے اختیار پنجرے کے پاس گیا اور اس نے پنجرہ کھول دیا۔ دونوں چڑیاں اُڑ کر کھڑکی سے باہر نکل گئیں اور دُور آسمان کی وسعتوں میں گم ہو گئیں۔ اب فیصل کو ایک طرح کی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ اتنے میں اس کو گاڑی کی آواز آئی۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا کہ اس کے ابا آئے ہیں اور دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔ فیصل دوڑتا ہوا اپنے کمرے کے دروازے پر آیا اور دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ اس کے ابا نے سب سے پہلے اس کا دروازہ کھولا اور اس کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ وہ بے اختیار اپنے ابا سے لپٹ گیا اور انھیں پوری صورتِ حال بتائی تو انھوں نے بتایا کہ مجھے اچانک ایک ضروری فائل کی ضرورت پیش آ گئی۔ وہ لینے کے لیے میں جلدی آ گیا ورنہ تم شام تک بند رہتے۔ اتنے میں ان کی نظر خالی پنجرے پر پڑی اور انھوں نے چڑیوں کے بارے میں پوچھا تو فیصل نے بتایا کہ اس نے چڑیوں کو آزاد کر دیا ہے، کیوں کہ اُسے اتنی دیر کمرے میں بند رہ کر آزادی کی قیمت کا اندازہ ہو گیا ہے۔ اس کے ابا بہت خوش ہوئے اور کہا واقعی آزادی بڑی نعمت ہے۔

ہم ایک آزاد ملک میں رہتے ہیں جس کا نام پاکستان ہے۔ یہ آزادی ہم نے بہت بھاری قیمت دے کر حاصل کی ہے۔ ہزاروں لوگوں نے اپنی جانوں کی قربانی دی جب کہیں جاکر یہ ملک آزاد ہوا۔ اب ہم کو اس آزادی کی قدر کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

انعامی کہانیاں لکھنے والے نونہال

پچھلے ماہ کے بقیہ نام

کراچی	حنا سلیم	ساجد محمود	شاہینہ کوثر	یاسمین کوثر
اسماء قاسم	فرزانہ صمد	کامران خیری	عظمیٰ یوسف	ماریہ نورالدین
عطیہ عثمان	محمد عباس رضوی	غزالہ پروین	آسیہ فخرالزماں	شہناز فاطمہ
شوکت حسین قادری	عامر شہزاد	نازنین صدیقی	نسیم شاہدہ رانی	عظمیٰ نجمہ شہناز
سید محمد فرحان رضوی	سعدیہ ہما	عمران رضا	بابر	حنا جبیں

سکھر
عبدالوحید انصاری
ربیعہ اقبال قریشی
ارم ناز اختر حسین
محمد منشا طاہر
ریشماں پروین
صلاح الدین
راحیلہ پروین
محمد اویس
ارشد وحید
عالیہ نزہت
سعدیہ انجم
یونس شاہد فاضلانی
محمد فرحان آرائیں
فرح علی
ٹنڈوالہ یار
سید عامر رضا شاہ
جاوید حکیم کھوکھر
سید عاصم رضا شاہ
کھتری محمد اشرف عبدالحکیم
نواب شاہ
شبانہ اکبر
عرفانہ بانو
ببینہ میمن
عبدالباسط
حنا میمن
نوشانہ سمیع فاروقی
غلام مرتضیٰ صدیقی
کشور سعید لودھی
مسرت ناز رانا، خانیوال

بہاول پور
عالیہ تبسم اعوان
سید طلحہ حسن
احمد پور شرقیہ
جاوید سحر
عبدالباری انصاری
محمد فیضان الرحمان کھوکھر
ٹنڈو آدم
زاہد کریم
محمد افضل انصاری
جہلم
شہاب علی
انعام اللہ فرہاد
عبدالشکور احمد غزل
ڈیرہ اسماعیل خان
اعجاز احمد
تھر پارکر
سید فاروق مطیع شاہ
رقیہ ارم قریشی
ڈیرہ غازی خان
شبیر حسین بلوچ
حسنین احمد امین
بہاول نگر
محمد یعقوب طاہر
عبدالجبار شاہد
اسماء اسلم
حماد دانش غوری، مردان
ناہید انجم، گلشنِ عثمان
ہزارہ
ثمینہ ممتاز سحر سیمی

خورشید احمد
طارق ایوب عامی
رحیم یار خان
نکہت جبیں
فرحان خورشید
نعمانہ زرین درانی
مسرت عندلیب، میانوالی
کوٹڑی
ظہیر عباس
محمد طارق
لودھراں
مجید احمد ساجد
محمد انور
شکیل احمد انجم، دھنوٹ
محبوب، ڈگری
ایوب، کویت
سیف اللہ موسٰی، ڈیری جین
شیخو پورہ
داؤد احمد
صبا احسان
جہانگیر خان، دمرود
ثمینہ بشیر، بھکر
احمد حسین صدیقی شکارپور
کوہاٹ
محمد اسماعیل
اشفاق احمد
مدثر مظہر
پشاور سٹی
صاحبزادہ ام عزیز اللہ خاں
زرینہ مغل، گدو بیراج

ایبٹ آباد
وقار احمد تنر بیلوی
غلام عباس
محمد رفیق زاہد، گوادر
طاہرہ پروین، سکرنڈ
فیصل آباد
محمد رفیق علی گوہر
شہزاد خرم
زیب النساء
عبدالحفیظ، اوکاڑہ
فرید ای بین ہالائی، ہالا نیو
ناصرہ مریم، اٹک
ملک محمد اکرم، سیالکوٹ
کوئٹہ
محمد امان اللہ شاکر
محمد احمد نجیب
ملک تصور محمود
عمر نواز ماہر، بنوں سٹی
راحیلہ تبسم، چکلالہ
مظہر اقبال مظہر، دولتانہ
رئیس ارحمت اللہ، خان پور
دلشاد احمد، میاں چنوں
محمد اصغر آرائیں، سمندری
عبدالرشید تبسم، حاصل پور
ظفر اقبال، گجرات
روہڑی
سید فرحان
ندیم احمد
محمد افضل بیگ مغل
انیسہ گل جبیں، مکڑوال

پھلاج رام، بنو عاقل
منیرہ فاروق، اوکاڑہ
میاں ڈھبری
آفتاب احمد شاہ
عزیز گل، ضلع مانسہرہ
کرن خورشید، بستی
احمد رضا، سکھری
عدنان انور، واہ کینٹ
لیہ
محمد ظفر اللہ ضیا
عمر فاروق
محمد سرور، پاکپتن
جیکب آباد
عتیق الرحمٰن
شاہینہ عبد محمد
خواجہ خالد یوسف
سوات
فضل ربی راہی
عزیز احمد تبسم
علیم اختر
محمد حارث، جامشورو
ارشد مسعود جج، گوجرانوالہ
سید محمد سجاد، ٹنڈو محمد خان
شہداد پور
محمد تنویر قریشی
ریحانہ پروین
ببریل شریف
محمد یونس صدیقی
ٹھٹھہ
ثمینہ نبی بردہ

کراچی

محمد فرید الدین
محمد سہیل
سعید خان
انوار الحق سومرو
رختاج دریا خان
تبسم زہرہ
شیخ محمد شفیق
سید سرور علی
فرحان خان
اظہار حسن خان
تبسم عزیز
رفیقہ انجم
عائشہ منہاج
فرحین فاطمہ
راحت عباس
شازیہ ناز
فرحان ضیاء عباسی
خالد
شہباز احمد
فائقہ فاروق
عفت رحمان
ثروت رحمان
سید ثاقب رضا جعفری
صوبیہ ارم
طاہرہ قادر

محمد صادق
فہیم صدیقی
ریحانہ پروین ضیائی
منزہ فاطمہ
شگفتہ جبیں شاہ
چمن زیب عباس
محمد ارشد عالم صدیقی
محمد طارق آفتاب
محمد عباس ندیم
اندرا موٹیوانی
اقبال حیدر نقوی
نازش صدیقی
ریاض علی
محمد آصف ملک
ناہید صدیقی
شہاب احمد
محمد عظیم
رئیس احمد خاں
سید وسیم نصرت
فخشیا انجم
عظمیٰ اسرار
خالد احسن
افشاں زریں
سمیرا نوئین
ریحانہ یاسمین

عشرت سجاد حسین
ساجد فہیم فاروقی
عابد حسین
ثروت کمال
عامر رضا
سلمان حیدر
اسماء طیب
بینا خانم
فرحت حیدر
تسلیم حنیف
شاہ نواز بیگ
محمد ایاز فرخ
ماریہ ظہیر
مشرف جہاں
فرحین اسلم
شاہدہ پروین
ف۔ تارا
معتصم
مبشرولی صدیقی
سید شہاب
سید اکبر رضا اکبر
عرفان سلیم
ندیم احمد
عالیہ غزال
سعدیہ خلجی

گل ارم خان
ساجدہ شمع نور
افشاں تبسم
مریم سعدیہ عباسی
گلشن پروین
اسماء سید ظفر علی
شازیہ پروین
فاطمہ لالہ رُخ
کہکشاں ترنم
عمران اعظم
محمد عامر سبحانی
مسعود احمد
زاہدہ اسماعیل
محمد اکرام الحق
شہلا اکرام عزیز
نعمان فاروق صدیقی
فرزانہ عزیز
راشدہ علی محمد
انیس احمد خان
سلمان اکبر
کوثر نظام
شکیل احمد
محمد حنیف احمد
فرید فضل
سید ضیاء الدین احمد

ثمینہ صدیقی
محمد عاصم بشیر
محمد عثمان خان
شیخ عبد القادر
مریم حاجی ابوبکر
زبیدہ خاتون
ناہید پروین
نسیمہ حمید
قیصر انصاری
عالیہ پروین
مرتضیٰ علی حسن
ابنِ ولایت یار محمد
احمد امجد
ایم طارق
محمد ابراہیم باری
طاہرہ سلطانہ
محمد عالم صدیقی
یاسمین محمد طفیل
محمد سعید
نصیر الدین احمد
بلقیس انتظار
کہکشاں محمد رفیق
سید مظفر حسین
آسیہ شہزادی
مصطفیٰ علی

نونہال ادیب

اے میرے وطن

مرسلہ: اعجاز علی، جھٹ پٹ

اے میرے وطن، تیری فضا کتنی بھلی ہے
جنّت سے بھی پیاری تیری ایک ایک گلی ہے
مٹ سکتی نہیں تیرے درو بام کی رونق
تعمیر تری نور کے سانچے میں ڈھلی ہے
کیا اس کو ڈرائے گا یہ سفاک زمانہ
وہ قوم جو تلواروں کے سائے میں پلی ہے
جب آگ میں ڈالو اسے بن جاتی ہے کندن
اس قوم کی ہمت ہے کہ سونے کی ڈلی ہے
ہم نکلے ہیں بن کر تیری عظمت کے محافظ
جو شخص ہے تصویرِ حسینؓ ابنِ علیؓ ہے

(قتیل شفائی)

بہار اور خزاں

شازیہ صدیق، کراچی

زندگی کی بہاریں خوشیوں کا پیغام ہیں۔ ان ہی بہاروں سے انسان جینا سیکھتا ہے، یہاں تک کہ انسان کو زندگی کی بہاروں سے اتنا ہی پیار ہوتا ہے جتنا کہ اپنی ذات سے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف یہی حکم نہیں دیا کہ وہ زندگی بھر بہاروں سے پیار کرے بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے بخشا ہے اس کے شکرانے میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لو لگائے، اسی کو اپنا معبود مانے، اسی پر یقینِ کامل رکھے، اسی کا حکم بجالائے اور اس کے بتائے ہوئے راستے (صراطِ مستقیم) پر چلے۔

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بعض انسان زندگی کی بہاروں سے ہی پیار کرتے ہیں اور اپنی زندگی کو عیش و عشرت میں گزار کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ غلط راہوں پر چل کر ان کی خوشیاں عارضی طور پر دوبالا ہو جاتی ہیں، لیکن انسان کے لیے نفس پر قابو پانا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس غلط راہ اختیار کرنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ غرض انسان یہ بالکل نہیں سوچتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے اتنی آسانیاں بہم پہنچائی ہیں تو وہ کیوں نہ اس کے شکرانے کے طور پر اس کا حکم مانے، لیکن وہ تو زندگی کی بہاروں سے ہی پیار کرتا

ہے۔ اسے یہ بات بھی نہیں معلوم کہ بہار کے بعد ہمیشہ خزاں آتی ہے اور اس زندگی کا کبھی نہ کبھی تو آخر آئے گا اور وہ دن قیامت کا ہوگا۔ اس دن اچھے اور بُرے اعمال کی پہچان ہوگی۔ جب ان بہاروں سے کھیلنے والوں کو، لطف اُٹھانے والوں کو اس بات کا احساس ہوگا کہ یہ چار دن کی مختصر امتحانی زندگی کو ہم نے گنوا دیا، ہم نے یہ کیا کیا کہ اسے عیش میں گزار دیا۔ کاش ہم نے بھی اچھے کام کیے ہوتے تو زندگی کی بہاروں کی طرح جنت میں بھی بہاروں کا مزہ لیتے۔ اس لیے زندگی میں اچھے کام کرنے چاہییں۔ اچھے کام سے ہی زندگی میں مستقل بہار آتی ہے۔

جہاز کے عرشے پر

جاوید اقبال، لاہور

اخبار کا بنڈل بازوؤں میں سمیٹے علی جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا۔ آج جہاز کا ساحل پہ آخری دن تھا۔ کل صبح جہاز اگلی منزل پہ روانہ ہو جانا تھا۔ علی نے وسیع سمندر پہ ایک نظر دوڑائی۔ بے تاب لہریں مچل مچل کر جہاز کے عرشے سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس نے حسرت سے سوچا، کاش میں بھی جہاز کے عملے میں شریک ہو کر مُلک مُلک گھومتا، نئے نئے لوگوں سے ملتا، سمندر کی عظیم وسعتیں دیکھتا۔

علی نے سمندر کے کنارے ناریل کے درختوں سے گھرے ایک جزیرے میں ہوش سنبھالا۔ اسے اپنے ماں باپ کا کچھ پتا نہ تھا۔ جب وہ چھوٹا تھا تو دوسرے بچّوں کے ساتھ ناریل اکٹھے کر کے لکڑی کی پیٹیوں میں بھرا کرتا تھا۔ بڑا ہوا تو اخبار بیچنے لگا۔ بندرگاہ پر جب کوئی بحری جہاز آ کر رُکتا تو اِس کی بکری زیادہ ہو جاتی۔ صبح اخبار بیچنے کے بعد وہ سمندر میں تیراکی کرتا اور پھر ڈھیر ساری کتابیں لے کر ساحل پر آ بیٹھتا اور ان بہادر ملاحوں کی کہانیاں پڑھتا جنھوں نے سمندر میں لمبے لمبے سفر کیے اور بڑے بڑے طوفانوں کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ یہ ملاح اس کے آئیڈیل تھے۔

جہاز کے ساتھ سیڑھیاں لگائی جا چکی تھیں۔ ایک طرف سے مزدور ناریل کے بڑے بڑے کریٹ جہاز پر لادنے میں مصروف تھے، دوسری طرف سے لوگ جہاز میں سوار ہو رہے تھے۔ اس وقت ایک عورت اپنے شیر خوار بچّے کو لیے جہاز کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اچانک بچّے نے ایک قلقاری ماری اور ماں کے ہاتھوں سے نکل کر قلابازیاں کھاتا ہوا سمندر میں جا گرا۔ عورت کے منھ سے ایک خوف ناک چیخ نکلی۔ اس وقت تمام ملاح ناریل کے کریٹ جہاز کے نچلے حصّے میں رکھوانے میں مصروف تھے۔ پانی میں ڈوبنے کے بعد بچّہ پھر پانی کی سطح پر اُبھرا۔ علی نے اخبار ایک طرف پھینکے اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ لہریں بچّے کو آدھے فرلانگ دُور بہا لے گئیں۔ علی تیزی سے تیرتا ہوا بچّے تک پہنچا اور ایک ہاتھ میں بچّے کو تھامے کنارے پر لے آیا اور اسے روتی ہوئی ماں کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ جہاز کے سارے ملاح کام چھوڑ کر جہاز کے عرشے پر یہ سارا منظر دیکھنے میں محو تھے۔ علی نے اخبار اٹھائے اور جہاز کی سیڑھیاں اترتا ہوا قصبے کی طرف چل دیا۔

دوسری صبح وہ اخبار لے کر ساحل پر آیا تو جہاز پر سامان ڈھونے والے مزدوروں نے اس سے کہا" جہاز کے کپتان تمھیں بُلا رہے ہیں"۔ ساحل پہ بکھرے سامان کو پھلانگتا علی سیڑھیاں چڑھتا ہوا جہاز کے عرشے پر پہنچا تو جہاز کا کپتان اور ملاح عرشے پر باتوں میں معروف تھے۔ اسے دیکھتے ہی کپتان نے اشارے سے اپنی طرف بُلایا اور اپنی گونج دار آواز میں کہا:

"دیکھو لڑکے، ہم تمھارے کل کے کارنامے سے بہت خوش ہوئے ہیں اور ہم تمھیں اپنے جہاز پر مُلاّح کی حیثیت سے ملازم رکھنا چاہتے ہیں"۔

علی نے پلٹ کر سمندر کی طرف دیکھا۔ سمندر کی پُرجوش لہریں اُچھل اُچھل کر اُسے خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔

سادگی اپنایئے

فارقہ قمر، کراچی

چوں کہ آج کل ہمارا معاشرہ بہت سی برائیوں اور خرابیوں کی آماجگاہ ہے۔ لہٰذا اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے بہت سی تحریکیں چلیں جن کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور ایسی ترغیبات دیں جو لوگوں اور معاشرے کے لیے مفید اور کارآمد ہوں اور خدائے بزرگ و برتر نے اپنے پاک کلام میں بار بار سادگی پر زور دیتے ہوئے مسلمانوں کو سادہ رہنے کی ترغیب دی ہے۔ اسی طرح ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سادگی کا عملی نمونہ پیش کیا اور اپنی اُمت کو بھی سادگی سے زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بات سادگی میں ہے وہ تکلف و بناوٹ میں کہاں۔ آج ہمارا معاشرہ افراط و تفریط کا منظر پیش کرتا ہے اور قول و فعل کا تضاد ہماری زندگی کا جزو لازم بن چکا ہے۔

عزیز ساتھیو! میرا مقصد یہ ہے کہ سادگی کا صحیح مفہوم آپ کے ذہن نشین ہو جائے، کیوں کہ سادگی کا مقصد یہ نہیں کہ ہم گندے رہیں۔ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ سادگی ایک ایسی علامت ہے جو ہماری اس سوچ کا مظہر ہے کہ ہم بے جا نمود و نمائش اور تکلف کو ناپسند کرتے ہیں اور سادہ زندگی کو حقیقی راحت اور سکونِ قلب سمجھتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کو سادگی کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم نے قرآن خوانی، محفلیں اور میلاد شریف منعقد کر لینا ہی بہت سمجھا اور اپنی زندگی کو قرآن و سنّت کے مطابق ڈھالنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔

ساتھیو! اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ میری کہی ہوئی باتوں میں گہرا ربط اور تعلق ہے۔ ہم نے یہی کچھ سادگی کے لیے رویّہ اختیار کر رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ سادگی اپنایئے، لیکن خود اس پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ بہر حال میں سادگی کو زندگی کا حُسن اور زیور کہوں گی۔ یہ ایسا حسن ہے جو کبھی ماند نہیں پڑتا۔ کھانے، پینے، اُٹھنے، بیٹھنے اور لباس غرض زندگی کے ہر شعبے میں سادگی ہماری کامیابی کی کنجی ہے۔ اس طرح ہم نہ صرف دنیا میں کامیاب ترین اور خوش گوار زندگی گزار سکتے ہیں بلکہ ہمارے اس عمل سے اللہ اور اس کے رسولؐ بھی خوش ہوں گے، کیوں کہ منشائے الٰہی یہی ہے۔ بہر صورت

فضول خرچی، بے جا نمود و نمائش اور تکلف ہیں اور ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ ہمیں اس لعنت سے نجات حاصل کرکے سادگی کو اپنانا چاہیے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے

محمد اتفاق، کراچی

کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کو کسی بادشاہ یا جن کی کہانی سُنا رہا ہوں۔ شاید آپ یہ بھی سوچیں کہ ہو سکتا ہے یہ کوئی الف لیلہ یا ہزار داستان کا کوئی حصّہ ہو۔ نہیں جناب! ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ سو سال گزر گئے مگر کتّے کی دُم پہاڑ میں دبی رہنے کے باوجود بھی سیدھی نہیں ہوئی۔ یہاں نہ تو الزام کتّے پر ہے اور نہ اُس کی دُم پر بلکہ الزام اردو ادب کی اُن کہانیوں پر ہے جو کچھ یوں شروع ہوتی ہیں: "ایک دفعہ کا ذکر ہے......" اگر ایک دفعہ کا ذکر ہے تو پھر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ دو یا تین دفعہ کا ذکر کیوں نہیں ہے۔ ہر بار ایک ہی دفعہ کیوں پیش کی جاتی ہے۔ مصنفوں کو چاہیے کہ ہر بار دو یا تین دفعات پیش کیا کریں، اور یقیناً آج کل ایک دفعہ کے ذکر سے کام بھی حل نہیں ہوتے۔ سرکاری دفتروں میں چپراسی سے لے کر بڑے افسر تک ہزار دفعہ ذکر کرنا پڑ جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس "ایک دفعہ" کی مخالفت میں وہ خاتونِ خانہ بھی بولیں گی جو اپنے نوکر کو نوکری سے نکال چکی ہوں گی۔ وجہ یہ ہے کہ نوکر کو ایک دفعہ کا ذکر تو کیا پچاس دفعہ کے ذکر سے بھی کام کرنے کی عادت نہ پڑی تو اسے نوکری سے نکال دیا۔ کسی پولیس والے (معذرت کے ساتھ) کو ایک دفعہ سے فائدہ نہ ہوا تو انھوں نے کئی دفعات اکھٹی لگا دیں۔

اس لیے اردو کے تمام مصنفین سے جو کہ ایک دفعہ کے ذکر پہ مُصر ہیں، میری پُر زور اپیل ہے کہ وہ اپنے اس ایک دفعہ کے ذکر کا پیچھا چھوڑ دیں۔ خدارا اس گھسے ہوئے جملے کو اور نہ گھسیں۔

نام ـــ مؤنث، مذکر

محمد اشرف ناز، اجنیانوالہ

* مہینوں کے نام ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی سب مذکر بولے جاتے ہیں۔
* اللہ تعالیٰ کے جتنے نام ہیں سب مذکر بولے جاتے ہیں، جیسے رب، خدا، اللہ۔
* پہاڑوں کے نام مذکر بولے جاتے ہیں، جیسے ہمالیہ، ہندوکش، کوہِ طور وغیرہ۔
* دنوں کے تمام نام مذکر بولے جاتے ہیں مگر جمعرات مؤنث ہے۔
* ستاروں اور سیاروں کے نام مذکر بولے جاتے ہیں، مگر زمین اور زہرہ مؤنث ہیں
* دھاتوں اور جواہرات کے نام سب مذکر ہیں، مگر چاندی مؤنث ہے۔
* جن ناموں کے آخر میں "ستان" ہو وہ مذکر بولے جاتے ہیں جیسے پاکستان، افغانستان اور قبرستان ـــ لیکن گلستان بوستان، خیابان چوں کہ کتابوں کے نام ہیں، اس لیے مؤنث

بولے جاتے ہیں۔

* بعض ناموں کے آخر میں "ی" مؤنث کی علامت ہے، مگر مذکر بولے جاتے ہیں، جیسے افعی، دہی، پانی۔

* جس لفظ کے آخر میں "کار" آتا ہے وہ مؤنث بولا جاتا ہے، جیسے پھٹکار، للکار، پکار، سرکار، مگر افکار، شکار، انکار مذکر بولے جاتے ہیں۔

* آواز کے تمام نام مؤنث بولے جاتے ہیں، جیسے چھم چھم، گڑگڑاہٹ وغیرہ۔

نمازوں کے تمام نام مؤنث بولے جاتے ہیں، جیسے فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا۔

* عربی مصدر جو تفعیل کے وزن پر آئیں جیسے تقدیر، تصویر مؤنث بولے جاتے ہیں، مگر تعویذ مذکر ہے۔

* وہ عربی مصدر جس کے آخر میں "الف" "ہو"، جیسے شفا، فضا، بقا، فنا، حیا وغیرہ مؤنث ہیں۔

زندگی

تابندہ جبیں، کراچی

زندگی ایک پھول ہے، جسے سونگھو اور جس کی نرم و نازک لطافت سے لطف اٹھاؤ۔

زندگی ایک تپتا ہوا صحرا ہے، جس میں چلنے سے پاؤں میں آبلے بھی پڑ سکتے ہیں اور جس کو انسان اپنے عمل سے گل زار بھی بنا سکتا ہے۔

زندگی ایک الجھا ہوا معما ہے، جسے حل کرو۔

زندگی محبت ہے، جس کی پرستش کرو۔

زندگی ایک فریب ہے، جس کے جال میں نہ پھنسو۔

زندگی ایک خواب ہے، جس کی تعبیر تلاش کرو۔

زندگی ایک سمندر ہے، جس کی وسعت کا اندازہ کرو۔

زندگی حُسن ہے، جس کی رعنائیاں تمھیں اپنی طرف بُلاتی ہیں۔

زندگی ایک خوش گوار لمحہ ہے، جو ذہنوں کو جِلا بخشتا ہے۔

زندگی، زندگی ہے، جس کی حقیقت کو تسلیم کرو۔

زندگی سب کچھ ہے، مگر زندگی کی اصل حقیقت کیا ہے۔ یہ آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا۔ کسی کی نظر میں زندگی صرف دھوکا اور فریاد ہے اور کسی کی نظر میں زندگی ایک خوب صورت میلا ہے۔ زندگی کے بارے میں ذرا دیکھتے ہیں کہ مختلف داناؤں اور مفکّروں نے کیا کیا کہا ہے:

نپولین کہتا ہے: "زندگی ایک قلعہ ہے۔"

شیکسپیئر کہتا ہے: "زندگی ایک اسٹیج ہے۔"

قائدِ اعظم کہتے ہیں: "زندگی ایک امتحان ہے۔"

برنارڈ شاہ کہتے ہیں: "زندگی ایک ناول ہے۔"

علامہ اقبال کہتے ہیں: "زندگی جدو جہد ہے۔"

ٹالسٹائی کہتے ہیں: "زندگی خود اعتمادی ہے۔"

بائرن کہتے ہیں: "زندگی دکھوں کا گھر ہے۔"

زندگی کی حقیقت مختلف شعرا کی نظر میں:

ناسخ نے کہا ہے:

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

علامہ اقبال کہتے ہیں:

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

فیض کہتے ہیں:

زندگی کیا مفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں

ایک شاعر نے کہا:

زندگی انسان کی ہے مانندِ مرغِ خوش نوا
شاخ پر بیٹھا، کوئی دم چہچہایا، اُڑ گیا

پس ہمیں اندازہ ہوا کہ زندگی محض فنا ہونے کا نام ہے۔ یہ چند روزہ زندگی انسان اگر اپنے حوصلے اور ہمت سے گزارے اور تمام مصیبتوں کو برداشت کرے تو پھر اصل زندگی تو وہ ہے جس کی آسائشیں اور راحتیں اپنے ہاتھ پھیلائے کھڑی ہیں۔ پس جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی میں ہی تمام آسائشیں میسر ہو جائیں تو وہ غلطی پر ہیں۔

زندگی ریشم و کمخواب نہیں اے دوست
تجھ کو جینا ہے تو پتھر کا جگر پیدا کر

بعد کی راحتیں اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب انسان دارِ فانی میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔

لکڑ ہارے کا پوتا

شعیب ربانی شاہین، دینہ

آپ نے اس مفلس مگر غریب لکڑ ہارے کی کہانی سُنی ہو گی جس کا لکڑیاں کاٹتے ہوئے کلہاڑا کنوئیں میں گر گیا تھا اور پھر پانی کے دیوتا نے اس کے لیے سونے اور چاندی کے کلہاڑے نکالے تھے، مگر اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ اس کے نہیں ہیں۔ پھر دیوتا نے تیسری مرتبہ لوہے کا کلہاڑا نکالا تو وہ خوشی سے بولا کہ یہی میرا کلہاڑا ہے، چناں چہ دیوتا اس کی ایمان داری سے خوش ہوا اور سونے چاندی کے کلہاڑے لکڑ ہارے کو انعام میں دے دیے۔

آج میں اُسی لکڑ ہارے کے پوتے کی کہانی سُنا رہا ہوں۔ ہوا یوں کہ اس نے اپنے دادا کی کہانی سُن رکھی تھی۔ ایک دن اس کو وہم ہوا کہ وہ بالکل اسی کہانی پر عمل کر کے پانی کے دیوتا کو اپنی ایمان داری کا یقین دلا کر انعام حاصل کرے گا اور امیر بن جائے گا۔

دوسرے روز وہ صبح سویرے جنگل کی جانب چل دیا۔ دوپہر کے وقت وہ اُسی کنویں کے قریب کھڑا تھا اور اوپر چڑھ کر اس نے تھوڑی سی لکڑیاں کاٹیں اور پھر جان بوجھ کر کلہاڑا کنویں میں پھینک دیا۔ وہ جب درخت سے اُتر کر کنویں کی طرف بڑھا تو سامنے ایک جن کھڑا تھا۔ اس نے سمجھا یہ پانی کا دیوتا ہے۔ وہ بولا، "اے پانی کے دیوتا! میں ایک غریب لکڑ ہارا ہوں، یہاں درخت پر سے لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ میرا کلہاڑا اس کنویں میں ......"

ابھی وہ اپنی بات مکمل نہ کر پایا تھا کہ جن دہاڑا، "خاموش ...... کون ہے یہاں پانی کا دیوتا؟ میں جن ہوں ... باجا جن، تُو نے میرے بیٹے کو زخمی کر دیا ہے۔" یہ سُن کر وہ خوف کے مارے کانپ اُٹھا۔ جن اُسے کنویں میں لے گیا۔

اس نے دیکھا جن کے بیٹے کے سر سے خون کا فوارہ اُبل رہا ہے اور پاس ہی کلہاڑا پڑا ہے۔

جن نے اپنے بچّے کے زخم پر پٹّی باندھنی شروع کر دی اور لکڑ ہارا خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگنے لگا کہ "اے میرے مالک، مجھے اس جن کے عتاب سے بچا، مجھے یہاں سے بہ خیریت نکال، پھر کبھی لالچ نہیں کروں گا اور دھوکے اور محنت کے بغیر ایک پائی بھی حاصل کرنے کے بارے میں نہ سوچوں گا۔"

اتنے میں جن مرہم پٹی سے فارغ ہو گیا اور اس کو مخاطب کرتے ہوئے کرخت آواز میں کہا، "اے آدم زاد، اپنی خیر منا کہ تیرے کلہاڑے سے میرے بیٹے کے سر پر چوٹ آئی اور اس کی قوتِ گویائی جاتی رہی ہے، میں اس کی تمھیں ضرور سزا دوں گا اور سزا یہ ہے تجھے تین دن کے اندر اس کی قوتِ گویائی واپس دلانے کے لیے دوا دارو کرنی ہوگی، ورنہ تمھارا خاتمہ کر دوں گا۔"

لکڑ ہارے کو تھوڑا حوصلہ ہوا کہ ابھی اُسے تین دن زندہ رہنا ہے۔ وہ جن سے کہنے لگا، "تو مجھے اس کنویں سے نکالے گا تب ہی میں کوئی ترکیب کر سکوں گا۔" جن نے کہا، "میں تجھے نکال دیتا ہوں، مگر یاد رکھ کہ تو مجھ سے بچ کے نہ جا سکے گا۔" اس نے وعدہ کیا کہ وہ اُسے دھوکا نہ دے گا۔ پھر جن نے اُسے کنویں کے باہر چھوڑ دیا۔ اُس نے سوچا، بیوی کے سامنے یوں ہی شرمندہ ہونا پڑے گا اس لیے وہ جنگل میں آگے نکل گیا۔

وہ چلتے چلتے تھک گیا تو ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور اپنے آپ کو کوسنے لگا کہ سونے چاندی کے لالچ میں مُفت میں جان کا خطرہ مول لیا۔ ابھی وہ اسی اُدھیڑ بُن میں تھا کہ ایک درویش اس کے پاس آیا اور کہنے لگا، "پریشان نہ ہو، تیری مصیبت ٹل گئی ہے، تُو نے توبہ کر لی ہے، خدا نے تجھے معاف فرما دیا ہے۔ اب اُٹھ اور یہ پیلا دھاگا لے جا کر جن کے بچّے کے گلے میں باندھ دے، وہ پھر سے بولنے لگے گا۔"

اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور درویش سے پیلا دھاگا لیا اور کنویں کی طرف چل پڑا۔ وہاں جن اُس کا منتظر تھا۔ لکڑ ہارے نے دھاگا اسے تھماتے ہوئے کہہ دیا، "یہ دھاگا بیٹے کے گلے میں باندھ دو، وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" جن نے ایسا ہی کیا۔ جن کا بچّہ پھر سے بولنے لگا۔ جن نے لکڑ ہارے کو اس کا کلہاڑا لوٹا دیا اور وہ اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔ اب وہ بہت خوش تھا۔ اس نے اپنے گاؤں کے لوگوں کی شان دار دعوت کی۔

محنت کرنے کا تو اس نے پختہ ارادہ کر ہی لیا تھا، چناں چہ وہ پہلے سے زیادہ لکڑیاں کاٹنے لگا اور اب اس کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی۔

پاکستان ہماری دولت

رابعہ طلعت زیبا، عزیز آباد

دن جن کا سعید مبارک وہ رات ہے
ظلمت کو طے کیا تو پھر آبِ حیات ہے

پاکستان ہماری جدوجہدِ مسلسل کا ثمر ہے۔ ہم نے بڑی

قربانیوں کے بعد اسے حاصل کیا ہے۔ حصولِ پاکستان کے لیے نہ جانے کتنی سہاگنوں کے سہاگ، ماؤں کے بیٹوں اور بہنوں کے بھائیوں نے قربانی دی۔ ہماری آزادی ان محسنوں کی مرہونِ منّت ہے۔ ہم آزاد ہیں۔ ہم اس ذاتِ باری کے بڑے مشکور ہیں کہ جس نے ہماری قربانیوں کا صِلہ پاکستان کی صورت میں دیا ہے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ پاکستان حاصل کر لیا، لیکن افسوس ہے کہ جن مقاصد کے تحت اسے حاصل کیا تھا آج تک ان کو پورا کرنے میں ناکام رہے ہے۔

پاکستان کا مطالبہ ایک اسلامی مملکت کا مطالبہ تھا۔ ایک ایسا پاکستان جہاں اللہ اور رسول کی پیروی کی جائے۔ جہاں اسلام کے سچے شیدائی ہوں۔ افسوس صد افسوس کہ ہم اپنی منزل سے ہٹ گئے۔ ہم مسلمان تو ہیں، لیکن اس کے حقیقی معنوں سے واقف نہیں۔ آزاد تو ہیں پر آزادی کے مفہوم سے نابلد ہیں۔ ہم اپنے وطن کے گیت گاتے ہیں مگر وطن کی ترقی اور خوش حالی میں کوئی دل چسپی نہیں رکھتے۔ اس سے پیار تو جتاتے ہیں مگر اس کی مصنوعات استعمال نہیں کرتے۔ کیا یہی ہماری حُبِ وطن ہے؟ کیا اسی کے لیے ہمارے بزرگوں نے اپنا گھر بار بلکہ جانوں تک کی بازی لگا دی تھی۔

خدا ہماری حالت پر رحم کرے اور پاکستان کی حفاظت کرے۔

خوشی کے آنسو

ارشاد حسین، کراچی

حمید آج اسکول سے واپسی پر یہ سوچ رہا تھا کہ اسے ٹیوشن کا انتظام کر لینا چاہیے۔ اس کی کلاس میں تقریباً تمام لڑکے ٹیوشن پڑھتے تھے سوائے حمید کے جو اپنی غریبی کے باعث ٹیوشن کی فیس ادا نہیں کر سکتا تھا۔ حمید کا شمار ذہین اور محنتی لڑکوں میں ہوتا تھا۔ تمام مضامین میں وہ شان دار نمبر حاصل کرتا تھا لیکن حساب کے مضمون میں وہ ہمیشہ سے کم زور تھا۔ گزشتہ جماعتوں میں اس کے نمبر ہمیشہ ریاضی میں کم آتے تھے۔ اب وہ آٹھویں جماعت میں پہنچ چکا تھا۔ بڑی جماعتوں میں مقابلہ بھی سخت ہوتا ہے، اس لیے تمام محنتی اور ذہین لڑکے ریاضی میں زیادہ سے زیادہ نمبر حاصل کر کے پوزیشن بنانے کی کوشش میں تھے۔ پچھلی جماعت میں اس کی دوسری پوزیشن تھی۔ صرف ریاضی میں کم نمبروں کی وجہ سے وہ پہلی پوزیشن حاصل نہ کر سکا۔ آٹھویں جماعت میں وہ بہرحال اوّل آنا چاہتا تھا تاکہ اپنے معیار کو قائم رکھ سکے۔ دراصل اتنی بڑی کلاس میں اس کے لیے ریاضی کے سوال سمجھنا بہت مشکل تھا اور اکثر لڑکے ٹیوشن میں پہلے ہی سے وہ سوال کر چکے ہوتے تھے۔ لہٰذا حمید کوشش کے باوجود ریاضی میں وہ دسترس حاصل نہیں کر پایا جس کی اسے ضرورت بھی تھی اور خواہش بھی۔

بچپن میں اس کے والد فوت ہو گئے تھے۔ صرف

ماں تھیں جو کسی نہ کسی طور اسے پڑھا رہی تھیں۔ ان کے لیے ممکن نہ تھا کہ الگ سے ٹیوشن کی فیس ادا کر سکیں۔ کچھ عرصہ قبل ان کے نئے کلاس ٹیچر عرفان صاحب آئے تھے، جو ریاضی پڑھاتے تھے۔ عرفان صاحب جتنی محنت اور خلوص سے پڑھاتے اتنے ہی سخت گیر اور با اصول بھی تھے۔ وہ پڑھائی کے معاملے میں کسی رعایت کے قائل نہیں تھے۔ حمید چوں کہ محنتی اور ذہین تھا لہٰذا اس پر زیادہ سختی تو نہ کرتے، لیکن وہ خود شرمسار ہو جاتا جب کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے پاتا۔ سہ ماہی امتحان میں وہ ریاضی کے پرچے میں بری طرح فیل ہوا۔ انھی تمام باتوں کے پیشِ نظر اس نے ٹیوشن پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا، لیکن اس کے مالی حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ ٹیوشن کی فیس ادا کر سکتا۔ اس کے کانوں میں عرفان صاحب کی آواز گونج رہی تھی کہ دیکھو حمید! یہ بڑی کلاس ہے۔ اگر تم اپنا تعلیمی معیار برقرار رکھنا چاہتے ہو تو باقی تمام مضامین کی طرح ریاضی کے مضمون پر بھی توجہ دینی ہوگی۔ اگر کلاس میں تم سوال نہیں سمجھ پاتے تو کسی ٹیوشن کا انتظام کر لو۔ اس میں کوئی برائی نہیں بلکہ تمھاری خامی دُور ہو جائے گی۔ حمید نے اس وقت تو یہ سُن کر خاموشی سے سر جھکا دیا، لیکن رات بہت دیر تک وہ اسی مسئلے پر سوچتا رہا۔ پھر نہ جانے کس وقت وہ سو گیا۔

صبح آنکھ کھلی تو اسکول کا وقت شروع ہونے والا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ جھٹ پٹ کپڑے تبدیل کیے اور بستہ اُٹھایا تھا اسے ریاضی کی کاپی کا خیال آیا جو اس نے کام کر کے میز پر رکھ دی تھی۔ آج اسکول کا کام بھی صحیح طرح نہیں کر سکا تھا۔ کچھ سوال ایسے تھے جو کوشش کے باوجود حل نہیں ہوئے۔ اس کی امی نے ناشتے کے لیے پکارا، لیکن اس کی نگاہوں کے سامنے عرفان صاحب کا بارعب چہرہ آ گیا۔ جو دیر سے آنے والے لڑکوں کو کبھی معاف نہیں کرتے تھے۔ اس نے ناشتا کیے بغیر اپنی امی کو سلام کیا اور باہر نکل آیا۔ اس نے سوچا کہ اگر عام راستے سے بہت تیز چلا تب بھی اسکول وقت پر نہیں پہنچ سکے گا۔ لہٰذا آج اس نے دوسرے مختصر راستے کا انتخاب کیا۔ اور اسکول کی جانب تیزی سے قدم بڑھانے لگا۔ ابھی اس نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ ایک گلی کے دروازے پر کھڑی ایک بزرگ خاتون نے اس کو آواز دے کر بُلایا۔ اس آواز میں نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کے بڑھتے ہوئے قدم بے اختیار رک گئے۔ وہ ان کے پاس گیا اور کہا، "ماں جی، آپ نے مجھے کیوں بُلایا ہے؟"

خاتون نے عاجزی سے کہا، "بیٹے، میرا چھوٹا لڑکا بہت زیادہ بیمار ہے۔ گھر میں اور کوئی نہیں جو ڈاکٹر کو لا سکے۔ اگر تم ڈاکٹر کو لے آؤ تو میں تمھارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھول سکوں گی۔" اتنا کہہ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ سُن کر حمید کا بھی دل بھر آیا، لیکن اسی کے ساتھ اسکول میں دیر سے جانے پر سزا کا خوف بھی تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ معذرت کر کے آگے بڑھ جائے، لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اگر وہ بھی اسی طرح بیمار ہو جائے تو اس کی امی کو بھی کس قدر پریشانی اٹھانی پڑے گی۔ اس نے

کہا، "ماں جی، آپ فکر نہ کریں میں ابھی ڈاکٹر کو بُلا کر لاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا بستہ ان کے حوالے کیا اور ڈاکٹر صاحب کے مطب کی طرف بے تحاشا بھاگا۔ ابھی ڈاکٹر صاحب اپنا مطب کھول ہی رہے تھے کہ حمید پہنچ گیا اور انھیں اپنے ساتھ لے کر ان بزرگ خاتون کے گھر آ گیا۔

مریض کا معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ اسے فوری طور پر ہسپتال میں داخل کرانا چاہیے۔ حمید اب تمام باتوں سے بے نیاز ہو کر پورے خلوص سے ان مصیبت زدہ لوگوں کے کام آنا اور خوشی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً ان خاتون اور مریض کو ہسپتال پہنچایا۔ اب کافی دیر ہو چکی تھی اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ اسکول جا سکے۔ چناں چہ وہ ہسپتال سے بس میں بیٹھ کر سیدھا گھر آ گیا۔ بستہ خاتون کے گھر رہ گیا۔ گھر پر اپنی امی کو ساری بات بتائی تو وہ بہت خوش ہوئیں اور اسے شاباش دی۔

شام کو دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ باہر آیا تو ماسٹر عرفان صاحب کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ ماسٹر صاحب نے کہا، حمید بیٹے، یہ لو تمھاری امانت۔ اور یہ کہہ کر اس کا بستہ اسے دے دیا۔ یہ دیکھ کر وہ اور بھی زیادہ حیران ہوا۔ ماسٹر صاحب نے اس کی حیرانی ختم کرتے ہوئے کہا، "بیٹے، جس گھر میں تم اپنا بستہ بھول آئے تھے وہ میرا ہی گھر ہے اور اس لڑکے کو جسے تم نے ہسپتال داخل کروایا تھا وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ وہ خاتون میری والدہ ہیں جن کی درخواست پر تم نے یہ نیک کام کیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ بستہ تمھیں پہنچا دوں۔ کاپی پر تمھارا نام دیکھ کر میں تمھیں پہچان گیا تھا۔ میں تمھارے اس احسان کا بدلا تو ادا نہیں کر سکتا، لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمھیں پڑھاؤں اور خاص طور پر ریاضی کے مضمون میں تمھیں کلاس کے بہترین طالب علم کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اسے تم اپنی نیکی کا صلہ مت سمجھنا بلکہ میری خواہش ہے کہ تم جیسا ہمدرد اور پُرخلوص لڑکا کلاس کا بھی بہترین طالب علم ہو اور پڑھائی میں سب کو مات کر جائے۔

یہ سُن کر حمید کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔

صفائی ـ ایک قومی خدمت

انور علی خان یوسف زئی، شیر شاہ

آج میرے قدم انتہائی تیز رفتاری سے اُس بس (ایکسپریس) کی طرف رواں دواں تھے جو تقریباً چار پانچ منٹ بعد کھوکھراپار (براستہ ایئرپورٹ) جانے والی تھی۔

جیسے ہی میں اسٹاپ پر پہنچا ایکسپریس بھی آ گئی اور اب دوبارہ جانے کے لیے میری منتظر کھڑی تھی۔ بس میں ایک دم لوگ سوار ہونے لگے اور دھکم دھکا شروع ہو گئی۔ میں چڑھنے کے لیے منتظر کھڑا رہا۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ جو لوگ اترنے کے لیے پہلے ہی سے گیٹ پر کھڑے ہوتے تھے، اُن کو پہلے اُترنے دیا جاتا۔ مگر یہاں کچھ عجیب سماں نظر آ رہا تھا۔

خیر اللہ اللہ کر کے ایکسپریس کو جھٹکا سا لگا اور

اور بس چلنے لگی۔ میں جس سیٹ پر بیٹھا تھا وہ سیٹ انتہائی..... خیر اگر سب آپ کو ایکسپریس (اور اسی طرح کی بسوں کے بارے میں تفصیل بتاتا چلا گیا تو نہ جانے کتنی خوبیاں بتانی پڑیں گی) قصہ مختصر کہ میں سوچنے لگا کہ اس کو اگر ہفتے میں ایک بار ہی صاف کر لیا جاتا تو اس کی یہ حالت ہرگز نہ ہوتی۔

کراچی میں جب بھی بارش کا موسم آتا ہے تو خاص طور سے سرکاری بسوں کو تو کوئی صاف کرتا ہی نہیں اور وہ یوں ہی گندے منھ صبح سویرے سے شام تک بھٹکتی پھرتی رہتی ہیں اور اس طرح وہ کچھ ہی عرصے میں نڈھال ہو جاتی ہیں۔

ہونا یہ چاہیے کہ ہم اپنی بسوں کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھیں، کیوں کہ یہ ایک قومی خدمت ہے اور اس میں ہماری بھلائی بھی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہم قومی خدمت کئی طریقوں سے کر سکتے ہیں مثلاً اگر اپنے اپنے محلّے کو صاف ستھرا رکھیں اور اُسے گندا ہونے سے بچائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم صفائی پسند شہری نہ کہلائیں۔ صفائی ایک ذاتی ضرورت بھی ہے اور قومی خدمت بھی۔

پاکستان کے شہروں کے نام اور وجہ تسمیہ

تنویر بلال، گوجرانوالہ

✗ **اسلام آباد:** ۱۹۵۹ء میں مرکزی دارالحکومت کا علاقہ قرار پایا۔ اس کا نام مسلمانانِ پاکستان نے اسلام کے نام پر اسلام آباد رکھا۔

✗ **بہاول پور:** اس کا سنگِ بنیاد نواب بہاول خان نے رکھا اور اپنے نام پر اس کا نام بہاول پور رکھا اور یہ ریاست بہاول پور کا صدر مقام رہا۔

✗ **بنّوں:** قدیم زمانے میں یہاں جنگلات کثرت سے تھے۔ بن کی نسبت سے اس کا نام بنوں پڑ گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ شہر بنوں نامی عورت کے نام پر آباد ہوا۔

✗ **پشاور:** پیشہ ور لوگوں کی نسبت اس کا نام پشاور پڑ گیا۔ دوسری روایت کے مطابق محمود غزنوی نے اسے یہ نام دیا تھا۔

✗ **جھنگ:** اس کی بنیاد ۹۸۳ بکرمی میں رائے سرجا سیال نے چند جھونپڑیوں کی شکل میں رکھی اور اسی مناسبت سے اس کا نام جھگی سیال رکھا۔ زمانے کی روش نے اسے جھنگ بنا دیا۔

✗ **جہلم:** یہ نام دو الفاظ جل اور ہم سے مل کر بنا ہے جن کے معنی سنسکرت زبان میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے ہیں۔ جل ہم بعد میں جہلم ہو گیا۔

✗ **جیکب آباد:** یہ شہر قدیم زمانے میں خان گڑھ کے نام سے موسوم تھا۔ انگریز جرنیل جنرل جان جیکب نے جب اس علاقے کو فتح کیا تو اپنے نام پر اسے جیکب آباد کہا۔

✗ **حیدر آباد:** اس کا پرانا نام نیرون کوٹ تھا۔ کلہوڑوں نے اسے حضرت علیؓ کے نام سے منسوب کر کے حیدر آباد نام رکھ دیا۔ اس کی بنیاد غلام کلہوڑا نے ۱۷۶۸ء

میں رکھی۔ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے شہر پر قبضہ کیا اور ۱۹۳۵ء میں ضلع بنا۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان: اس شہر کو سردار سہراب خان بلوچ نے ۱۵۶۹ء میں دریائے سندھ کے کنارے آباد کیا اور اپنے لڑکے اسمٰعیل خان کے نام پر ڈیرہ اسماعیل خان رکھا۔ شہر پر ۱۸۱۷ء سے ۱۸۳۶ء تک سکھوں کا قبضہ رہا۔

راول پنڈی: یہ شہر راول قوم کا گھر تھا۔ چودہری جھنڈے خان راول نے پندرھویں صدی میں باقاعدہ اس کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۵۹ء میں اسے دارالحکومت کی حیثیت ملی۔

سیال کوٹ: راجا سلکوٹ نے ۲۰۰۰ سال قبلِ مسیح میں اس شہر کو آباد کیا۔ پہلے پہل اس کا نام سلکوٹ تھا۔ انگریزوں نے اسے سیال کوٹ کا نام دیا۔

سبّی: قدیم زمانے میں ایک ہندو حکم ران خاندان کی رانی کا نام سیوی دیوی تھا۔ اس کے نام پر شہر کا نام سیوی پڑ گیا۔ جو بعد میں سبّی کے نام سے مشہور ہوا۔

سرگودھا: یہ دو الفاظ سر اور گودھا سے مل کر بنا ہے۔ ہندی میں سر تالاب کو کہتے ہیں۔ گودھا ایک فقیر کا نام تھا جو تالاب کے کنارے رہتا تھا۔ اسی لیے اس کا نام گودھے والا سر پڑ گیا۔ بعد میں سرگودھا کہلایا۔ ۱۹۰۳ء میں باقاعدہ آباد ہوا۔

ساہی وال: پہلے اس کا نام گورنر پنجاب کے نام پر منٹگری رکھا گیا، لیکن چوں کہ شہر ساہی قوم کا گھر ہے۔ اس لیے ۱۹۶۶ء میں حکومت نے اس کا نام ساہی وال کر دیا۔

سکھر: عربوں نے ناہموار زمین اور موسمیاتی تاثرات کی بنا پر اس کا نام سقر رکھا جس کے معنیٰ سخت تکلیف کے ہیں، پھر یہ سکھر بن گیا۔

قلات: اس کا اصل نام قلات سیوا ہے اور یہ اس قدیم ہندو حکم راں خاندان کا نام ہے جو یہاں پر حکم راں رہا۔

کراچی: ۲۲۰ سال قبل یہ ماہی گیروں کی بستی تھی۔ کلاچو نامی بلوچ کے نام پر اس کا نام کلاچی پڑ گیا پھر کراچی بن گیا۔ ۱۹۲۵ء میں اسے شہر کی حیثیت دی گئی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۹ء تک یہ پاکستان کا دارالحکومت رہا۔

کوئٹہ: کوئٹہ لفظ کواٹا سے مشتق ہے جس کے معنی قلعے کے ہیں۔ بگڑتے بگڑتے کواٹا سے کوئٹہ بن گیا۔

گجرات: یہ شہر گوجر اور جاٹ قوم کا گھر تھا۔ راجا رسالو کی بہن کے نام پر اس کا نام رکھا گیا۔ اکبر اعظم نے ۱۵۸۰ء میں اسے باقاعدہ آباد کیا۔

گوجرانوالہ: ۱۳۶۵ء میں ایک جاٹ ساہنی خان نے آباد کیا اور اس کا نام خان پور رکھا۔ کچھ عرصے کے بعد گوجر امرتسر سے یہاں آکر آباد ہوئے اور انھوں نے اس کا نام گوجرانوالہ رکھ دیا۔

میانوالی: سولھویں صدی میں یہاں ایک بزرگ میاں علی تشریف لائے۔ پہلے اس کا نام میاں علی تھا۔ بعد میں میاں والی نام رکھا گیا۔

✻ ہزارہ : یہاں پر ایک ترک قوم ہوزارہ آباد تھی۔ انھوں نے اسے ہوزارہ کا نام دیا اور بگڑتے بگڑتے ہزارہ بن گیا۔

ہم نے کہانی لکھی

سعدیہ رؤف، فیصل آباد

تو جناب ہمیں کہانی لکھنے کا شوق پیدا ہوا تو ہم نے

ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے، مگر کوئی مزے دار اور چٹ پٹی کہانی ہماری کھوپڑی میں آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد جب ہم نے کاپی کی طرف دیکھا جو کچھ زیادہ ہی دبلی نظر آرہی تھی، کیوں کہ ردّی کی ٹوکری بھری پڑی تھی۔ ابھی ہم اس کام میں مصروف ہی تھے کہ ہماری پیاری سی بھانجی عینی کمرے میں داخل ہوئی اور بولی، "آنٹی، کیا لکھا جارہا ہے؟" ہم نے بڑے فخر سے جواب دیا، "بھئی ہم ذرا کہانی لکھ رہے ہیں۔ مابدولت اب کہانی نویس ہو گئے ہیں۔" اتنا سننا تھا کہ عینی صاحبہ نے قہقہہ لگایا اور بولی، "یہ منھ اور چاولوں کا ٹوٹا۔" ہم نے جو غصّے میں ہاتھ گھمایا تو بجائے عینی کے لگنے کے سیدھا سیاہی کی دوات پر اور سیاہی کی دوات صاف ستھرے میز پوش پر چند خوب صورت سے ڈیزائن بناتی ہوئی میز پر جا گری۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اپنے زور میں ہم خود بھی میز کے اوپر جا گرے۔ میز ایک دھماکے سے گری اور گرتے ہی جاں بحق ہو گئی اور ہم منھ کے بل زمین پر۔ آواز سنتے ہی باجی بھاگتی ہوئی آئیں۔ پہلے تو ہماری شکل مبارک دیکھ کر چیخیں، "بھوت!" مگر پھر اچانک ہی جوتی اُتار کر ہمارے پیچھے بھاگیں۔ ہم بھاگے تو سیدھے صوفے پر گرے اور جب باجی نے چٹیا سے پکڑ کر ہمیں شیشے کے سامنے کھڑا کیا تو بس نہ پوچھیں۔ ہمارا چہرہ شریف تارکول کا ڈرم بن چکا تھا۔ اس کے بعد ہماری جو درگت بنی وہ کبھی آپ کی بھی نہ بنی ہوگی۔ بس اللہ دے اور بندہ لے۔ وہ دن اور آج کا دن ہم نے کہانی لکھنے سے توبہ کر لی۔

(مگر توبہ کر کے بھی یہ کہانی لکھ ماری۔ مدیر اعلا)

غرور

عالیہ جاوید، کراچی

بہت عرصے پہلے کی بات ہے کہ ایک شخص گھنے جنگل میں ایک چھوٹے سے جھونپڑے میں رہا کرتا تھا۔ اس نے اپنے گھر کے دروازے پر ایک چراغ لٹکا رکھا تھا تاکہ لوگ اندھیرے میں راستہ دیکھ سکیں۔

ایک روز چراغ اپنے اردگرد روشنی پھیلا رہا تھا۔ اس کی روشنی نے اندھیرے کو کہیں دور بھگا رکھا تھا۔ جو مسافر بھی اس گھر کے سامنے سے گزرتا یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا کہ "یہ کس قدر خوب صورت چراغ ہے۔ اس کی ٹمٹماتی لو میں راہی کتنے آرام سے سفر کر رہے ہیں اس کے بغیر تو مسافروں کو بہت مشکل پیش آتی۔" ایک دن کسی مسافر کی ایسی ہی باتیں چراغ نے بھی سُن لیں۔ پھر کیا تھا چراغ اپنے آپ پر اِترانے لگا کہ "واقعی وہ بہت خوب صورت ہے اور لوگوں کے لیے مفید بھی کہ اس کی روشنی میں لوگ

اپنی اپنی منزل کا تعین آسانی سے کر لیتے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتا تو لوگ راستے سے بھٹک جاتے۔" پس اُس دن سے چراغ ایسا مغرور ہوا کہ اپنے مالک اور اس کی تمام چیزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا۔ وہ اپنی ذات پر کچھ زیادہ ہی فخر اور گھمنڈ کرنے لگا تھا۔

جب مالک نے چراغ کی یہ باتیں سُنیں تو کہا، "بے شک تم لوگوں کی راہ میں روشنی کرتے ہو مگر تمھیں اپنے اوپر اس قدر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ خدا کو غرور بالکل پسند نہیں، کیوں کہ اس سے نیکی برباد ہو جاتی ہے۔" چراغ بولا، "یہ میرا حق ہے کہ میں اپنی ذات پر فخر کروں، کیوں کہ چاند اور ستارے بھی اس طرح لوگوں کے لیے روشنی نہیں کر سکتے، جس طرح کہ میں کرتا ہوں۔ میرے بغیر لوگ اندھیروں میں چلنے پر مجبور ہوتے اسی لیے انھیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے۔"

چراغ اور اس کے مالک کے درمیان ہونے والی گفت گو ہوا نے بھی سُن لی اور دل میں کہنے لگی کہ یہ چراغ بہت مغرور ہو چلا ہے اپنا مقابلہ چاند ستاروں سے کرتا ہے۔ کیوں نہ اسے دکھا دیا جائے کہ اس کی یہ بات درست نہیں ہے۔ ہوا مسکرائی اور ذرا تیزی سے چلنے لگی۔ بس پھر کیا تھا چراغ ایک ہی لمحے میں گل ہو گیا۔ مالک نے دیکھا تو چراغ کو دوبارہ روشن کر دیا اور پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا، "امید ہے کہ اس واقعے کے بعد تم گھمنڈ کرنا چھوڑ دو گے، کیوں کہ ذرا سی تیز ہوا سے تم گل ہو گئے، جب کہ تیز ہوا سے چاند تاروں کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑتی اور تم تو روشنی حاصل کرنے کے لیے بھی دوسروں کے محتاج ہو۔"

چراغ دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوا اور سوچنے لگا کہ کائنات میں اور بھی بہت سی چیزیں انسانوں کے کام آتی ہیں اس کے باوجود ذرا بھی تکبّر نہیں کرتیں۔ ان کے سامنے میری حیثیت ہی کیا ہے۔ چناں چہ چراغ نے مالک سے اپنی غلطی کی معافی مانگی۔

نونہالوں کا ہمدرد

جمیل احمد خان، کراچی

آپ تمام نونہال اپنے پسندیدہ رسالے ہمدرد نونہال کا مطالعہ کرتے ہیں، اس میں حصّہ لیتے ہیں، یقیناً آپ اس سے بہت سی اچھی باتیں معلوم کرتے ہوں گے۔ اب آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ سال ۱۹۸۵ء میں آپ اور آپ کے کتنے ساتھیوں نے ہمدرد نونہال کے مستقل سلسلوں میں حصّہ لیا۔ سب سے پہلے ہم "تحفے" کی طرف آتے ہیں جو ہر ایک کو بہت پسند ہے۔ ۱۹۸۵ء میں ۱۸۷ نونہالوں کے تحفے قبول کیے گئے۔ "مسکراتے رہو" میں ۱۸۹ ساتھیوں کے بھیجے ہوئے لطیفے شامل ہوئے۔ "صحت مند نونہال" میں ۲۶۴ بچّوں کی تصاویر شائع ہوئیں۔ "اخبار نونہال" میں آپ ساتھیوں کی بھیجی ہوئی ۶۷ خبریں شامل ہوئیں۔ دسمبر میں یہ معلوماتی کالم شائع نہیں ہوا۔ "نونہال مصوّر" میں ۴۷ تصاویر شائع ہوئیں جو آپ لوگوں نے بنا کر بھیجی تھیں۔ "خیال کے پھول" میں ۱۴۹ اقوال زریں شائع ہوئے۔ "طب کی روشنی میں"، آپ کے بھیجے ہوئے سوالات کی تعداد

۹۲ رہی۔ "ہمدرد انسائکلوپیڈیا" میں آپ لوگوں کے ۱۲۱ سوالات کے جوابات دیے گئے۔ اس شمارے کے "مشکل الفاظ" میں ۱۳۳۰ الفاظ کے معنی بتائے گئے۔ ۸۵ء میں "بزمِ نونہال" میں ۸۱۷ ساتھیوں کے خطوط شائع ہوئے۔ ۲۰۵ ساتھیوں کے جوابات دیے گئے۔ ۱۵۲۹ ساتھیوں کے صرف نام جگہ کی کمی کے باعث شائع ہوئے۔ "معلوماتِ عامہ" میں جنوری ۸۵ء سے ایک تبدیلی کی گئی۔ وہ یہ کہ سوالوں کی تعداد دس سے بارہ کر دی گئی۔ سال ۸۵ء میں معلوماتِ عامہ کے ۱۵۲ سوالات شائع ہوئے۔ آٹھ صحیح جوابات بھیجنے پر ۳۴ ساتھیوں کے صرف نام اور دس ساتھیوں کی تصاویر شائع ہوئیں۔ یہ نام اور تصویریں صرف جنوری ۸۵ء کے شمارے میں شائع ہوئیں۔ نو صحیح جوابات بھیجنے پر ۵۷۶ ساتھیوں کے نام اور ۴ ساتھیوں کی تصاویر شائع ہوئیں۔ دس صحیح جوابات بھیجنے پر ۶۷۴ ساتھیوں کے نام اور ۲۶۶ ساتھیوں کی تصاویر شائع ہوئیں۔ گیارہ صحیح جوابات پر ۳۲۲ ساتھیوں کے نام اور ۱۸۱ ساتھیوں کی تصاویر شائع ہوئیں۔ بارہ صحیح جوابات بھیجنے پر ۳۱۱ ساتھیوں کے نام اور ۱۰۳ ساتھیوں کی تصاویر شائع ہوئیں۔ "نونہال ادیب" میں ۱۷۰ ساتھیوں کے مضمون، کہانی اور انشائیے شائع ہوئے۔ ۸۲ ساتھیوں کی حمد، نعت اور نظمیں شائع ہوئیں۔ ۱۸ نونہالوں نے نظم، نعت یا مضمون نقل کر کے شائع کروائے تھے۔ دوسرے نونہالوں کی نشان دہی پر انھیں ایک سال کے لیے "ہمدرد نونہال" سے خارج کر دیا گیا۔ ساتھیو! دوستو! یہ بہت بڑی بات ہے کہ آپ شہرت پانے کے شوق میں دوسروں کی تحریریں اپنے نام سے شائع کروائیں۔ اگر آپ خود کوئی تحریر نہیں لکھ سکتے تو اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اگر کوئی پیراگراف پسند آئے تو اسے "تحفے" میں بھیج دیں۔ آپ کا نام بھی شائع ہو جائے گا، مگر جس کی تحریر ہے اس کا نام بھی ضرور لکھیے۔

ستمبر ۸۵ء میں خاص نمبر اپنی آن بان کے ساتھ شائع ہوا اور لاکھوں کی تعداد میں پڑھا گیا۔ خاص نمبر کے معلوماتِ عامہ میں بیس انعامی سوالات شائع ہوئے۔ صحیح جوابات نومبر ۸۵ء میں شائع ہوئے۔ ۵۵ ساتھیوں نے پورے بیس صحیح جوابات بھیجے لہٰذا دو ہزار روپے کی انعامی رقم ان میں تقسیم کر دی گئی۔ ۷۹۴ ساتھیوں نے ۱۶ سے ۱۹ تک صحیح جوابات بھیجے، اُن کے نام شائع ہوئے اور ان کو انعامی کتابیں روانہ کی گئیں۔ ۹۹ ساتھیوں نے بھی ۱۶ سے ۱۹ تک صحیح جوابات بھیجے ان کی تصاویر شائع ہوئیں، ان کو بھی انعامی کتابیں بھیجی گئیں۔ خاص نمبر میں نونہالوں کو انعامی کہانی لکھنے کی دعوت دی گئی۔ نتائج کا اعلان دسمبر میں کیا گیا۔ اول، دوم اور سوم آنے والی کہانی کے مصنفوں کو بالترتیب ایک ہزار، پانچ سو اور تین سو روپے کے انعامات دیے گئے۔ ان کے علاوہ ۱۵ نونہالوں کی کہانیوں کو بھی بہترین قرار دیا گیا۔ ان کو انعامی کتابیں بھیجی گئیں۔

پیارے ساتھیو! "ہمدرد نونہال" آپ کا سچا ہمدرد ہے۔ آپ کو اس سے اصل منافع اس وقت پہنچے گا جب کہ آپ اس کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل شروع کر دیں۔

جزائر مالدیپ

مظفرہ بشریٰ ڈاہری، نواب شاہ

دنیا بھر کی آزاد مملکتوں میں جزائر مالدیپ رقبے کے لحاظ سے سب سے چھوٹی حکومت ہے۔ جزائر مالدیپ میں کوئی بھی غیر مسلم نہیں۔ ان جزائر کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ ہے اور آبادی ایک لاکھ کے قریب۔ یہاں کے حکم راں کو سلطان کہتے ہیں۔ یہاں ناریل بہت پیدا ہوتا ہے۔ ماہی گیری لوگوں کا عام پیشہ ہے۔ ملک میں ہر طرف سبزہ اور پھول نظر آتے ہیں۔ خوب صورتی کے لحاظ سے جزائر مالدیپ کا مقابلہ بہت کم ملک کر سکتے ہیں۔

جزائر مالدیپ کے لوگ کئی باتوں میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنے علما کے احترام میں عام لوگ ان کا لباس خود نہیں پہنتے۔ پولیس کے سپاہی وردی کے بغیر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ عربی پڑھتے، لکھتے اور بولتے ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے الگ الگ اسکول اور کالج ہیں۔ لڑکے دن کے وقت پڑھتے ہیں اور لڑکیاں رات کو۔

سواری کے لیے کسی کے پاس کار نہیں، ریلیں ہیں یا ٹرک ہیں، لیکن ہر شخص کے پاس اپنی سائکل ہے۔ اگرچہ پاکستانیوں کے مقابلے میں اُن کی آمدنی کا اوسط زیادہ ہے، لیکن وہ شان و شوکت کی زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے۔ صرف سلطان کے پاس ایک فوکس ویگن کار ہے۔ یہ لوگ شراب کو بہت خراب سمجھتے ہیں۔ تمام مکانات ایک منزلہ ہیں اور خوب صورت بنگلے نظر آتے ہیں۔ ہر گھر کے سامنے ایک چھوٹا تالاب ہوتا ہے، جس میں مچھلیاں تیرتی نظر آتی ہیں۔

جزائر مالدیپ میں کوئی اخبار نہیں چھپتا اور نہ ٹیلے فون کی گھنٹیاں سکون میں خلل پیدا کرتی ہیں۔ لوگ پتنگ بازی سے دل بہلاتے ہیں۔ یہ لوگ جن بھوتوں سے بہت ڈرتے ہیں۔ سرکاری ڈاکٹروں میں جن بھوت نکالنے والے بھی شامل ہیں۔ اس ملک کے اسلامی قوانین اور عوام کے دینی لگاؤ کو دیکھا جائے تو یہ ایک بڑی سلطنت نظر آتی ہے۔

ریلوے اسٹیشن کا ایک منظر

محمد مہوش راوی

اتوار کا دن تھا۔ شام کے قریب بھائی جان کا تار ملا کہ وہ بہ ذریعہ تیز گام کراچی سے لاہور پہنچ رہے ہیں۔ ساتھ ہی مجھے اسٹیشن پر حاضر ہونے اور ان کا "شایانِ شان" استقبال کرنے کا حکم بھی دیا گیا۔ یہ نادر شاہی حکم پڑھ کر مجھے غصّہ تو بہت آیا، کیونکہ اس روز مجھے اپنے ٹیسٹ کی تیاری کرنی تھی، لیکن "حکمِ حاکم مرگِ مفاجات" مجھ میں سرتابی کی مجال نہ تھی۔ اگر اسٹیشن پر لینے نہ جاتا تو گھر آکر وہ میری درگت بناتے۔ بادل ناخواستہ اگلے روز اسٹیشن پر پہنچ گیا۔

گاڑی آنے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا مگر پلیٹ فارم پر اس قدر بھیڑ تھی کہ تل دھرنے کو جگہ نظر نہ آتی تھی۔ دُور دُور تک سر ہی سر دکھائی دیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا شہر لاہور ہی سامانِ سفر باندھ کر اسٹیشن پر آگیا ہے۔ اِدھر گرمی غضب ڈھا رہی تھی۔ پسینے سے تمام کپڑے

شرابور ہو رہے تھے۔ بے پناہ حبس کی وجہ سے سانس تک لینا دشوار ہو رہا تھا۔ میں نے پنکھے کی تلاش میں نظر دوڑائی۔ پلیٹ فارم پر جگہ جگہ پنکھے لگے ہوئے تھے، لیکن ان کے نیچے بے حد ہجوم تھا۔ میں ذرا سی خالی جگہ دیکھ کر ایک پنکھے کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ وہاں ایک مولوی صاحب بھی اپنے بیوی بچّوں کے ساتھ براجمان تھے۔ یہ بزرگ غالباً گھر کی ہر چیز اُٹھا لائے تھے مزے کی بات یہ ہے کہ ان کا سارا سامان تو پنکھے کے نیچے پڑا تھا اور وہ خود ایک طرف بیٹھے رومال سے پسینا پونچھ رہے تھے۔ ان کے دو چھوٹے چھوٹے ننگ دھڑنگ بچّے چیخ چیخ کر پلیٹ فارم کے شور و غل میں اضافہ کر رہے تھے، جو پہلے بھی کم نہ تھا۔ میں دو تین منٹ وہاں کھڑا رہا۔ آخر وقت گزاری کے لیے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

اب ٹرین آنے میں چند منٹ باقی تھے۔ لوگوں کا ہجوم دم بہ دم بڑھ رہا تھا۔ ٹکٹ گھر کے سامنے ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ ہر شخص سب سے پہلے ٹکٹ حاصل کرنے کے لیے بے چین نظر آتا تھا۔ لوگوں کا سامان اُٹھا اُٹھا کر قلی پلیٹ فارم پر لا رہے تھے۔ ایک موٹے سے بھاری بھر کم سیٹھ جی چھڑی سے اٹیچی کیس اور صندوق گن رہے تھے۔ ان کے قریب ایک صاحب جائے نماز بچھائے شور و غل سے بے نیاز نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔ ان صاحب سے ذرا پرے دو تین نوجوان اونچی آواز میں قہقہوں کا تبادلہ کر رہے تھے۔ اس شور و غل میں خوانچہ فروشوں کی آواز بھی کافی نمایاں تھی۔ وہ طرح طرح کی آوازیں لگا کر گاہکوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ غرض ہنگامۂ محشر کا سماں نظر آتا تھا۔

میں اسی شور میں گم تھا کہ اتنے میں ایک آواز آئی، "ٹرین آگئی"۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی پلیٹ فارم پر آکر رک گئی اور جیسے ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ گاڑی کے مسافر ڈبوں سے باہر نکلنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ جب کہ باہر کے لوگوں نے ڈبّے میں داخل ہونے کے لیے گاڑی پر دھاوا بول دیا تھا۔ میں حیرت سے یہ منظر دیکھنے لگا۔ اچانک ایک آواز ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی کان کے پردوں سے ٹکرائی، "او عقل کے بچّے! احمقوں کی طرح ایک طرف ہی دیکھے جا رہے ہو۔ اِدھر آؤ اس طرف، میں یہاں ہوں"۔ آواز کی سمت دیکھا تو بھائی جان کا چہرۂ مبارک نظر آیا۔ صاحب بہادر آدھے گاڑی کے اندر تھے اور آدھے گاڑی کے باہر، اور باہر نکلنے کی ناکام کوشش فرما رہے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے کھینچ کھانچ کر باہر نکالا۔ ان کی حالت دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید حوالات سے تشریف لا رہے ہیں۔ بکھرے ہوئے بال، گرد سے اٹا ہوا چہرہ، پسینے سے شرابور کپڑے۔ میں انھیں ریفریشنگ روم میں لے گیا، وہاں انھوں نے منھ ہاتھ دھویا اور لباس تبدیل کیا۔ میں تانگہ لے آیا۔ تانگے میں بیٹھ کر ہم چار بجے شام کے قریب گھر پہنچ گئے۔

بڑے بھائی آخر بڑے بھائی ہیں اور چھوٹے بھائیوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ چوں چرا کیے بغیر ان کا حکم بجا لایا جائے۔

ننھّے قارئین لکھتے ہیں

نونہالوں کی پسند، ناپسند، تجویزیں، شکایتیں، مشورے

■ ہمدرد اب ایسا نہیں ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ اس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ بسوں میں ایک ایک دو دو رُپے کے پرانے رسالے ملتے ہیں۔ ان میں کبھی پرانا نونہال دیکھنے میں نہیں آیا، بیس تاریخ سے پہلے ہی بازار سے غائب ہو جاتا ہے۔ یقیناً اس کے خریداروں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔

سیف الدین کامران سیف، برکات حیدری

■ یہ بات مستند ہے کہ نونہال ملک بھر کا معیاری اور بہترین رسالہ ہے۔ اسی لیے جب مجھ سے کوئی پوچھتا ہے کہ آپ کس شخص سے متاثر ہیں تو میں کہتی ہوں: "حکیم محمد سعید"۔ طاہرہ مبین، شاہ فیصل کالونی

■ سرورق خوب صورت تھا۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ "رسولِ پاک کی سادگی" سے متعلق جناب عبدالواحد سندھی صاحب کا مضمون بہت اچھا تھا۔ چند کہانیاں مثلاً قائدِ اعظم معمارِ قوم، ایک ادیب کی میز (شوکت تھانوی) اور چالاک کمہار پسند آئیں۔

شریف الرحمٰن خان، نیو کراچی

■ اس دفعہ کے لطیفے حیرت انگیز طور پر نئے اور بہترین تھے۔ "رسولِ پاک ﷺ کی سادگی"، "مینارِ عظمت" اور "قائدِ اعظم۔ معمارِ قوم" اچھے معلوماتی مضمون تھے۔ نونہال ادیب میں "زہریلا خزانہ" ایک کتاب ہنس مکھ شہزادہ کی کہانی "سونا پور کا خزانہ" سے نقل شدہ تھی۔ اطہر حسین، ناظم آباد

> عابد فاروقی میاں! مجھے یہ لکھتے ہوئے بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ فلاں نونہال ایک سال کے لیے کاٹ دیا گیا۔

■ کہانیاں اور لطیفے معیاری تھے۔ عمران حسن، کراچی

■ نونہالانِ وطن کے تعمیری جذبے کو اُجاگر کرنے اور ذمے داری کے احساس کو وقت کے دوش بہ دوش مکمل کرنے کی نصیحت کا حامل "ہمدرد نونہال رسالہ" ایک منفرد کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ ہر پیر و جوان کرتے ہیں۔ اس کے ذریعے کتنی ہی معلومات ہم حاصل کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ مطیع الرحمٰن قادری، فیصل کالونی

■ میں نونہال شوق سے پڑھتا ہوں اور نونہال میں بار بار نونہال اپنی خدمت پیش کرنے کی کوشش کر چکا ہوں۔

سید نثار عباس عابدی، کراچی

> نونہال کی خدمت یہ بھی ہے کہ اسے خوب پڑھو اور دوسروں کو پڑھواؤ اور خط کم لکھو۔

■ خاص نمبر ہم ڈاک کے ذریعے خریدنا چاہیں تو کس طرح خرید سکتے ہیں۔ نونہال میں اب قلمی دوستی بھی شروع کرنی چاہیے۔ کہانی "بلاعنوان" بھی شروع کیجیے۔ ویسے آپ کا رسالہ سب کو پسند ہے۔

رسول بخش سیٹھو، حیدر آباد

> رُپے کا منی آرڈر کر دیجیے۔ خاص نمبر ڈاک سے بھیج دیا جائے گا۔

■ اس بار تو ہمدرد نونہال رسالے میں بڑی رونق تھی۔

خالد محمود پرنس، ڈیرہ غازی خان

■ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ، پہلی بات، طب کی روشنی میں، چالاک کمہار، مسکراتے رہو بہت پسند آئے۔ سید عبدالوہاب، چمن

■ نظم بی مکھی (شان الحق حقی) کا تو جواب ہی نہیں۔ کہانی چالاک کمہار میں بادشاہ کا نام بہادر لکھا تھا۔ جب کہ دوسرے صفحے پر بادشاہ کا نام سلطان لکھا تھا۔ یہ کیا چکر ہے۔ ماہ رخ اقبال، کراچی

> سلطان نام کے طور پر نہیں لکھا تھا بلکہ سلطان کے معنی بادشاہ کے ہیں۔

■ حکیم محمد سعید صاحب نے جاگو جگاؤ کے ذریعے سے ہمارے دل و دماغ کو معطر کر دیا۔ سچ پوچھو تو "جاگو جگاؤ" رسالے کی جان ہے۔ محمد رفیق زاہد، گوادر

■ سرورق نہایت ہی عمدہ تھا۔ کہانیوں میں کھوٹا سکہ (شاکر عثمانی) بہت پسند آئی۔ باقی کہانیاں کوئی خاص نہ تھیں۔

طاہر امین، کراچی

■ اگر میں بہ ذریعہ ڈاک نونہال ہر ماہ منگواؤں تو سال میں کیا خرچ ہوگا۔ کیوں کہ نونہال دکانوں پر بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔

سجاد احمد بلوچ، ڈیرہ غازی خان

> سادہ ڈاک سے منگوانا ہو تو ۵۴ رُپے اور رجسٹری سے ۸۱ رُپے سالانہ قیمت ہے۔ سادہ ڈاک میں کھو جانے یا چوری ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اگر آپ اپنے اخبار والے سے کہہ دیں تو وہ ہر مہینے گھر پر ہمدرد نونہال پہنچا دیا کرے گا۔

■ کہانیوں میں کھوٹا سکہ، چالاک کمہار، گوتو کا کارنامہ اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ رسالے کا دل تھا۔

راشد چراغ، کراچی

■ دسمبر کا شمارہ مجموعی طور پر پسند نہیں آیا، کیوں کہ اس ماہ کسی قسم کا سائنسی یا طبی مضمون شائع نہیں ہوا۔ یہ رسالہ بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں میں بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، لیکن سوائے بچوں کی کہانیوں کے اس میں کسی قسم کا سائنسی لٹریچر نہیں تھا۔

محمد اشرف آزاد، سامارو شہر

■ کیا میں نونہال ادیب کے لیے سلسلے وار کہانی لکھ کر بھیج سکتا ہوں۔

آصف اقبال، حیدر آباد

> کیا نونہال ادیب میں سلسلے وار کہانی کبھی دیکھی ہے آپ نے؟

■ جاگو جگاؤ پہلے کی طرح پسند آیا۔

محمد صابر محمود دہوٹری، حیدر آباد

■ سال کا آخری شمارہ بڑی آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ کہانیوں میں کھوٹا سکہ اور گوتو کا کارنامہ نمبر لے گئے۔

رئیس احمد قدیر، کراچی

■ مینارِ عظمت، ایک ادیب کی میز، چالاک کمہار، دل چسپ تھے۔ لطیفے مزے دار تھے۔ تحفے میں بھی اچھی تحریریں تھیں۔

عادل گوندل، جوہر آباد

■ خاص طور پر جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ میں جناب حکیم محمد سعید کا بہت ممنون ہوں کہ بچوں کے لیے اتنا عمدہ رسالہ شائع کرتے ہیں۔ برکاتی صاحب کا بھی بہت ممنون ہوں کہ اُن کی تحریریں بہت اچھی ہوتی ہیں۔

محمد اسلم بشیر، ناظم آباد

■ سرورق پر جانوروں کے بجائے ذہین نونہالوں کی تصاویر اور اندر ان کا تفصیلی انٹرویو دیا کریں۔ نیز بادشاہ اور شہزادوں والی کہانیاں کسی تہ خانے میں بند ہی کر دیں تو اچھا ہے۔ اس زمانے میں جسے سائنسی دور کہا جاتا ہے بھوت پریت کی کہانیاں حقیقت سے بہت دُور لگتی ہیں۔ ایک گزارش نونہالوں سے کرنا چاہوں گی کہ وہ ایسی باتوں کو نظر انداز کیوں نہیں کر دیتے کہ فلاں لفظ یہ تھا مگر اس کے نقطے کم یا زیادہ تھے۔ کتابت میں ایسا ہو ہی جاتا ہے اور پھر آپ جان بھی لیتے تھے کہ فلاں شخص یقیناً یہ تھا مگر اس کے نقطے زیادہ یا کم لگ گئے تھے۔

طاہرہ علی، کراچی

■ چالاک کمہار (احمد جمال پاشا) ایک ادیب کی میز، کہانیاں اور کوئل (نظم) بے حد اچھی تھیں۔

محمد جمشید یوسف فاروقی، مظفر گڑھ

■ جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے علاوہ بھی مضامین اچھے تھے۔

محمد علی صابر بلوچ، گوادر

■ سب سے اچھا مضمون رسولِ پاکؐ کی سادگی تھا۔

اعجاز حسین، نوشہرہ چھاؤنی

■ جاگو جگاؤ، پہلی بات، رسولِ پاک کی سادگی، کھوٹا سکہ، چالاک کمہار ان تمام مضامین کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میرے تمام بہنوں اور بھائیوں اور خاص طور پر والد صاحب نے بہت پسند کیا۔

ساجد اللہ، کراچی

■ آج کل نونہال کا معیار بلند ہوتا جا رہا ہے۔ لطیفے اور کارٹون بہت پسند آئے۔ تحفے اچھے تھے۔ نونہال ادیب کی کہانیاں بہت پسند آئیں۔ نیل کے بچے اور دو مسافر دو ملک کب تک کتابی صورت میں شائع ہوں گی؟ واقعی آپ کا نعرہ کامیاب رہا کہ نونہال کا ہر شمارہ خاص شمارہ۔

محمد ناصر، خالد، شکیل، شاکر، بغچی

■ ہم ہمدرد نونہال نہایت دل چسپی سے پڑھتے ہیں اور اس سے سبق حاصل کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک سبق آموز رسالہ ہے جس سے ہر بچے کو فائدہ پہنچتا ہے۔

انیلا حشمت، ارم حشمت، صدف حشمت

■ جاگو جگاؤ (حکیم محمد سعید) ہمیشہ کی طرح دل میں اُتر جانے والا تھا۔ پہلی بات (مسعود احمد برکاتی) رسول پاک ؐ کی سادگی (عبدالواحد سندھی) اور ایک ادیب کی میز (شوکت تھانوی) تعریف کے لائق ہیں۔ جناب شان الحق حقی کی نظم "بی مکھی" اور محترمہ میر بینہ شاہ بانو کی نظم "چندا ماموں کی کہانی" بہت پسند آئی۔ پریم جان، کراچی

■ دسمبر میں صرف پانچ کہانیاں تھیں مگر کہانیاں سب کی سب اچھی تھیں۔ میں ہر نونہال بک اسٹال سے خریدتا تھا، لیکن دسمبر کا شمارہ اخبار والا ہماری دُکان پر دے گیا۔ میرے بڑے بھائی عبدالحفیظ نے جب نونہال پڑھا تو کہا کہ خدا کرے آیندہ نونہال میں خود خرید دوں گا۔ دسمبر کا ٹائٹیل ہمارے سب گھر والوں نے پسند کیا۔ محمد ذاکر قریشی، ٹنڈوالہ یار

■ ٹائٹیل بھی کافی خوب صورت تھا۔ کہانیاں مزے دار تھیں۔
ارشد انجم، منچن آباد

■ جاگو جگاؤ حکیم محمد سعید صاحب بہت اچھا لکھتے ہیں۔ آپ کی پہلی بات میں بہت اپنائیت ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے آپ ہمارے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ آپ بھی اس میں کوئی نہ کوئی اچھی بات کہہ جاتے ہیں۔ نونہال کی ہر کہانی میں ہمارے لیے سبق ضرور ہوتا ہے۔ سیدہ ارم اشارت جیلانی، کراچی

■ دسمبر کا نونہال تقریباً ہمارے سب گھر والوں نے پسند کیا ہے۔ خاص طور پر کھوٹا سکہ قابلِ تعریف ہے۔ اس کہانی میں احساس کم تری کا شکار ہونے والوں کے لیے نصیحت ہے۔
شوکت علی خانزادہ، سکرنڈ

■ جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول اچھے تھے۔ انعامی کہانی کے نتائج پڑھے۔ اب اول دوم سوم آنے والوں کی کہانیاں چھاپیے تاکہ ہم بھی دیکھیں کہ کہانیاں کیسی ہیں۔ نونہال ادیب میں بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ قائداعظم پر مضمون بھی بہت اچھا تھا۔ طاہرہ سلطانہ، کراچی

اس شمارے میں تینوں کہانیاں شامل ہیں۔

■ ساری کہانیاں لاجواب تھیں۔ کھوٹا سکہ (شاکر عثمانی) اور ایک ادیب کی میز (شوکت تھانوی) بہت خوب صورت کہانیاں تھیں۔ اور اس طرح لطیفے بھی بالکل نئے تھے۔
ایم۔ جے برکت علی، شمالی ناظم آباد

■ دسمبر کا شمارہ نہایت دل چسپ تھا، خاص طور پر جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ نہایت سبق آموز تھا۔ ایک مسکراتی تحریر "ادیب کی میز" نے بہت متاثر کیا۔ ارم افشاں، کراچی

■ میں کئی سالوں سے ہمدرد نونہال پڑھ رہا ہوں۔ بڑا دل چسپ رسالہ ہے۔ یہ رسالہ ہے تو بچوں کا، لیکن بڑے بھی اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ محمد ضیاء اللہ، بلدیہ ٹاؤن، سعید آباد

■ سرورق غنیمت تھا۔ جاگو جگاؤ سے مستفید ہو کر پہلی بات پڑھی۔ برکاتی صاحب نے اُن کہانی نویسوں کو جن کو انعام نہیں مل سکا، جس انداز سے تعریف اور حوصلہ افزائی کی ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ ویسے اب نونہال میں وہ بات نہیں رہی جو کہ پچھلے پانچ چھ سالوں میں تھی۔ گزارش ہے کہ آپ نوعمر ادیبوں کو شروع کے صفحات میں لکھنے کا موقع دیں، تاکہ اُن کی صلاحیتیں بھی نکھر سکیں۔
سید عبدالعزیز عزمی، گلبہار کراچی

■ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور خیال کے پھول ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ کہانیاں اور لطیفے بہت اچھے تھے۔ اسماء رشید، کراچی

■ کہانیوں میں چالاک کمہار اور گوٹو کا کارنامہ پسند آئیں۔
غلام مرتضیٰ راجپوت، چک نمبر ۲۵

■ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، کھوٹا سکہ، چندا ماموں (نظم)، چالاک کمہار بہت اچھے تھے۔ یاسمین، حیدرآباد

■ نونہال ایک مفید رسالہ ہے، کیوں کہ نونہال سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میرے سب چھوٹے بہن بھائی نونہال کو پڑھتے اور پسند کرتے ہیں۔ ریحانہ صلاح الدین قریشی، حیدرآباد

■ خاص طور پر چالاک کمہار پسند آئی۔ نونہال ادیب میں "وفادار نوکر" اور "عظیم رہبر" اچھی تھیں۔ کوئی سلسلے وار مزے دار کہانی شروع کریں۔ محمد امجد حسین، بہاول پور

■ نونہال میں وہ سب کچھ ہے جو ایک مکمل رسالے میں ہونا چاہیے۔ نونہال ادیب میں عائشہ خالد کی تحریر "نانی کا پان دان" بڑی دل چسپ تھا۔ لیاقت علی زرگو، پشاور

■ دسمبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔
انصار عالم قدیر، اورنگی ٹاؤن

■ نظمیں بہت اچھی تھیں۔ کوپن علمی تحفہ ختم ہونے کے بعد کوئی اور ایسا کوپن چھپے گا جس سے نونہالوں کو فائدہ ہو۔

الطاف اللہ شیخ، خیرپور میرس

■ مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات، تحفے اور لطیفے بہت پسند آئے۔ عاطف نسیم، راولپنڈی

■ جاگو جگاؤ بھی پڑھا اور میں بس پڑھتا ہوں، نہیں اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ کیوں کہ اس تحریر کو ہمارے دوست اور ہمدرد جناب حکیم محمد سعید لکھتے ہیں۔ یہی اس کتاب کا اصل مقصد و منشور ہے۔

آج ہمدرد کا ادارہ اور جناب حکیم محمد سعید اور ان کے دیگر ارکان جس طرح ہمارے ملک اور قوم کی خدمت کر رہے ہیں اس کی مثال آج کی دنیا میں ہمیں کہیں نہیں ملے گی۔ ہمارے ملک کو ہمدرد ادارے پر فخر ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا اسے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی دے۔ ہمدرد نونہال بھی ہمدرد کی خدمتوں کی ایک کڑی ہے جو ہر مہینے ہمیں اچھی کہانیاں، نظمیں، مضمون، لطیفے اور دنیاوی معلومات فراہم کرتا ہے۔

قمر علی لغاری، حیدر آباد

■ تمام تحریریں اپنی اپنی جگہ قرینے سے سجی ہوئی تھیں، پسند آئیں۔

لبنیٰ زرینہ یوسف، ایبٹ آباد

■ خاص طور پر لطیفے اور تحفے مزے دار تھے۔

راشد احمد، کراچی

■ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھا، پہلی بات، خیال کے پھول، تحفے، نونہال ادیب وغیرہ ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ کہانی میں کھوٹا سکہ بہت پسند آئی۔ رسول پاکؐ کی سادگی اور مینارِ عظمت بہت ہی اچھے تھے۔ شاہین روشن علی، خاص خیلی، پریالو

■ ایک ادیب کی یہ ایسی کہانی تھی کہ اُسے تو فریم کرا کر رکھ لینا چاہیے۔ انعامی کہانی میں جن بچوں نے انعام پایا ہے ان کی کہانی شائع کرنا چاہیے۔ نونہال ادیب میں "عقل مند پیر" اور "ایک کتاب کی آپ بیتی" اچھی تھی۔ وجیہہ شیریں، کراچی

■ ہم سب گھر والے نونہال بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور تقریباً پانچ سال سے پڑھتے آ رہے ہیں۔ اس کی ایک ایک چیز ہماری من پسند ہے۔ شازیہ افتخار، کراچی

■ بلاشبہ نونہال پہلے سے بہتر ہو گیا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ میرے نزدیک پاکستان میں اس وقت بچوں کے رسالوں میں نونہال اپنے معیار کے لحاظ سے سرفہرست ہے اور اس کی بڑی وجہ حکیم محمد سعید صاحب کی سرپرستی ہے۔

اعجاز احمد، سجاد احمد، ڈیرہ غازی خان

■ سرورق بہت اچھا تھا۔ نونہال دوست کافی سدھر گئے ہیں۔ نقل نہیں کرتے۔ اچھی بات ہے۔ لطیفوں کے پڑھنے سے تو ہمارے وجود میں ہنسی کا سیلاب آگیا، طوفان اس لیے نہیں آیا کہ ابھی پہاڑ جتنے مضبوط نہیں ہوتے۔ مگر آپ کی اور نونہال میں لکھنے والوں کی تحریریں پڑھ کر ہم اتنے مضبوط ہو جائیں گے کہ طوفانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ شازیہ طیبہ غوری

■ آپ ہمیشہ ہی "پہلی بات" لکھتے ہیں۔ بھئی اب تو یہ پہلی بات نہیں رہی عملاً بھی، کیوں کہ جاگو جگاؤ پہلے نمبر پر ہوتا ہے۔ بندہ شمار کے لحاظ سے بھی پہلی بات حکیم صاحب کی ہوئی۔ اگر آپ اپنے کالم کا عنوان بدل دیں تو بہت مناسب رہے گی۔

مسعود نبی خان، کراچی

■ میں چھٹی جماعت میں تھا تو نونہال پڑھنا شروع کیا۔ ویسے تو ہمارے گھر میں تمام لوگ نونہال کو بہت پسند کرتے ہیں مگر میں بعد میں اس محفل میں شامل ہوا۔ اس کے بعد میں نے اپنے خاندان کے تقریباً آٹھ افراد کو اس سے متعارف کرایا اور وہ سب لوگ بھی اس رسالے کو بہت پسند کرتے ہیں۔

علی عمران، کراچی

■ بوجھو تو جانیں کی جگہ اگر آپ پہیلیاں شامل کریں تو بہت اچھا رہے گا۔ غزالہ شاہین، فیصل آباد

■ دسمبر کا نونہال بہت اچھا اور مزے دار تھا۔

اسمٰعیل چاند، گوادر

■ شان الحق حقی کی نظم بی مکھی بہت پسند آئی۔ لطیفے کچھ پرانے تھے۔ فقیر محمد شاہد، کمالیہ

■ کہانیاں اور لطیفے عمدہ تھے۔ جناب مسعود احمد برکاتی کی "پہلی بات" بہت اچھی اور سبق آموز تھی۔ جاوید صدیقی، ڈیرہ غازی خان

■ نظموں میں بی مکھی (حقی صاحب)، چند اماموں کی کہانی (سیرینہ شاہ بانو) اچھی تھیں۔ عنبر حمید بھٹی، صادق آباد

■ یوں تو اخبار اور رسالوں میں بہت سی کہانیاں چھپتی ہیں لیکن ہمدرد نونہال کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔

رضیہ اکرام، لیاقت آباد

■ مسکراتے رہو میں صرف ایک دو لطیفوں پر ہنسی آئی۔ باقی سب بالکل بے کار تھے۔ اس کی بہ نسبت تحفے کا سلسلہ بہت کام یاب اور اچھا جا رہا ہے۔ تسنیم جعفری، الاڑکانہ

■ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس میں ہر دفعہ اچھی اور معیاری کہانیاں پیش کی جاتی ہیں۔ میری کہانی چھپ سکے گی یا نہیں؟

ایم۔ وائی قائم خانی، ٹنڈو الہ یار

> اگر آپ نے پورا پتا لکھا ہوگا تو ڈاک سے اطلاع کر دی جائے گی۔

■ گزشتہ ایک سال سے ہمدرد نونہال پڑھ رہا ہوں اور ہر مہینے اس کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ سید عبد الباری، کراچی

■ نونہال بہت پسند آیا۔ کہانیاں اور لطیفے چٹ پٹے تھے۔

سجاد احمد، ڈیرہ غازی خان

■ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، ہمدرد انسائکلو پیڈیا بہت پسند ہیں۔ گل بادشاہ، کراچی

■ دسمبر کا سرورق اچھا نہ تھا۔ کہانیوں میں کھوٹا سکہ، چالاک کمہار، گوتو کا کارنامہ پسند آئیں۔ ایک ادیب کی میز (جناب شوکت تھانوی) بور تھی۔ نظموں میں بی مکھی (جناب شان الحق حقی) پسند آئی۔ تحفے اور لطیفے بھی اچھے تھے۔ وقار احمد تربیلوی، ہری پور

■ اس مہینے نونہال بہت زیادہ رنگ برنگا تھا، اس لیے کچھ زیادہ ہی پسند آیا۔ نامعلوم

■ ہمدرد نونہال پورے پاکستان میں کافی مشہور ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ ایسا رسالہ تو شاید ہی کوئی ہو۔ امینہ ملک، کراچی

■ سب سے پہلے جاگو جگاؤ پڑھا۔ دل کو ٹھنڈک اور سکون ملا۔

نزہت افشاں، کراچی

■ ٹائیٹل بہت اچھا تھا لیکن یوں کہیے بہت ہی سندر اور لاجواب تھا اور انکل حکیم صاحب کے جاگو جگاؤ نے تو کمال ہی کر دیا۔
عتیق الرحمٰن، اورنگی ٹاؤن

■ کہانیاں اور لطیفے سب معیاری تھے۔ خاص طور پر جناب مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات اور جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت ہی متاثر کن تھے۔ محمد افضل عبد الرزاق، کراچی

■ نونہال ادیب میں وقت کا فیصلہ بے حد پسند آئی۔ مگر "وفادار نوکر" سید محمد جعفر نے بچوں کا جنگ ۲۳۔ فروری ۱۹۸۴ء سے نقل کی ہے۔ اصل میں یہ تحریر محمد اقبال جاوید، صادق آباد کی ہے۔

حافظ ضیاء الحسن، چیچہ وطنی

> سید محمد جعفر کا نام ایک سال کے لیے کاٹ دیا گیا ہے۔ یقین ہے کہ اس ایک سال میں وہ خود لکھنے کی مشق کر لیں گے۔

■ یوں تو ہمدرد نونہال میں تمام تحریریں اپنی جگہ خوب ہیں، لیکن سب سے زیادہ جاگو جگاؤ جیسے عظیم اور سچے موتی جیسے الفاظ سے دامن بھرنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ روبی رشید، حیدر آباد

■ نونہال ادیب میں خاص طور پر "ایک کتاب کی آپ بیتی" جو کہ حفیظ اللہ عاطف بلوچ نے تحریر کی تھی پسند آئی۔

حمیرہ ناز، کراچی

■ رسول پاکؐ کی سادگی، مینارِ عظمت، کھوٹا سکہ، چالاک کمہار اور ایک ادیب کی میز بہت پسند آئے۔

عاصم حسین، کراچی

■ جاگو جگاؤ بہت ہی اچھا اور سبق آموز سلسلہ ہے۔ معلوماتِ عامہ بھی نونہالوں کے ذہن کے لیے بہت ہی مؤثر ہے۔

روبینہ عقیل، ادریس احمد، ہری پور

■ لطیفے ہمیشہ کے مقابلے میں زیادہ دل چسپ تھے۔ ہمدرد انسائکلو پیڈیا بھی بہت دل چسپ ہوتا ہے۔

شوکت محمود، بہاول پور

■ کھوٹا سکہ اور چالاک کمہار نے بہت متاثر کیا۔

محمد ارشد، محمودہ آباد

■ جاگو جگاؤ، چالاک کمہار اور گوتو کا کارنامہ بہت خوب صورت تھے۔ عالمگیر خان آفریدی آف جمرود

■ نونہال میں بہت اچھی اچھی اور نصیحت آموز کہانیاں ہوتی ہیں، جنھیں پڑھ کر ہم سب بچّوں کو سبق حاصل ہوتا ہے۔

ندیم شہنشاہ، کراچی

■ نونہال پڑھا بے حد پسند آیا۔ تمام تحریریں بہت شگفتہ اور معیاری تھیں۔ غزالہ یاسمین، فوزیہ رحمان، کراچی

■ جاگو جگاؤ، رسول پاک کی سادگی، مینارِ عظمت اور کہانیوں میں چالاک کمہار اور ایک ادیب کی میز بہت پسند آئے۔

کمال حسین، تُربت

■ نونہال ایک بہترین رسالہ ہے اس میں وہ کچھ ہوتا ہے جو ایک عمدہ معیاری رسالے میں ہونا چاہیے۔ نُور الصباح، ناظم آباد

■ سرورق بہت اچھا تھا۔ محمد جاوید عبدالغفور، کراچی

■ شاکر عثمانی کی کہانی کھوٹا سکہ بہت پسند آئی، لطیفے خاص نہ تھے۔ طاہرہ عمر، پنوعاقل

■ جاگو جگاؤ بے حد نصیحت آموز تھا۔ کہانیاں سب کی سب معیاری تھیں البتہ معلومات عامہ کے سوالات بے حد مشکل لگے۔ باقی ساری کہانیاں دل چسپ اور اچھی لگیں۔ شہناز قدیر، حیدر آباد

■ میری دعا ہے کہ نونہال کو اللہ تعالی بہت اونچی شان دے، کیوں کہ اس میں میرے مقصد کی تمام اشیاء موجود ہیں۔

ظہیر عباس، کراچی

■ جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ اخبارِ نونہال بھی بہت دل چسپ تھا۔ منعم جمیل برلاس، جہلم

■ ٹائیٹل بہت اچھا تھا۔ کہانیوں میں گولو کا کارنامہ اور چالاک کمہار بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔

عاصم منور، ہارون آباد

■ کہانیوں میں ایک ادیب کی میز تو بہت دل چسپ تھی اور گولو کا کارنامہ (مناظر صدیقی) بھی بہت اچھی تھی۔

طاہر نور خان، شعیب نور خان، جہانگیر روڈ

■ ۱۹۸۵ء کا آخری شمارہ پوری آب و تاب کے ساتھ آیا۔ اور حد سے زیادہ پسند آیا۔ تمام چیزیں اتنی اچھی تھیں کہ تعریف کرنا مشکل ہے۔ جناب حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ تو ہمارے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

شبانہ خان، میرپور خاص

■ نونہال ایک علمی گل دستہ اور ہر دل عزیز رسالہ ہے۔

محمد علی، گھوٹکی

■ نونہال ملا بہت پسند آیا۔ عطاءاللہ شاہ شباب آف ننگوٹی

■ آج پہلی مرتبہ نونہال کا مطالعہ کیا تو اس کی کہانیاں اور اور مضامین پڑھ کر حیران رہ گیا۔ اتنی وسیع اور صاف ستھری کہانیاں شاید ہی کسی ماہ نامے میں ہوں۔ خاص کر مینارِ عظمت تو بہت زیادہ پسند آئی۔ تحمل حسین حیدری، پنڈ دادن خان

■ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ کئی سالوں سے پڑھتا ہوں، لیکن شرکت پہلی بار کر رہا ہوں۔ امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔

جہانگیر خان آفریدی، جیون

■ دسمبر کا نونہال پسند آیا۔ سیدہ مبشرہ، میرپور خاص

ان نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں خط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث ان کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی:۔ منصور احمد انصاری، ساجدہ شمس، محمد سعید عباس، نزہت رحمان، شاہد انعام، فاروق انور، نوشین سعید، افتخار احمد قریشی، الطاف احمد خان، الطاف خان، ڈیرہ اسماعیل خان:۔ جمیل احمد۔ ڈیرہ غازی خان:۔ ناصر محمود خٹک۔

خیرپور میرس:۔ سلیم احمد، عجب خان، ذوالفقار علی، ٹنڈو الہ یار:۔ محمد راشد قائم خانی۔ حیدر آباد:۔ محمد فرخ رشید۔ فیصل آباد:۔ توبیہ رفیق۔ میرپور خاص:۔ کامران وحید۔ سانگھڑ:۔ پرنس ہاشم غوری۔ پسنی:۔ عبدالباقی غالب۔ اٹک:۔ ذوالفقار علی ثاقب۔ حیدر آباد:۔ محمد فیصل سکندری۔

معلومات عامّہ ۲۳۶ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ معلومات عامّہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویر کیوں شائع نہیں کی گئی، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے، جن کی عمر اچھی ہو گئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بڑا انعام۔

۱ ۔ سورۂ توبہ کا دوسرا نام سورۂ برأت ہے۔

۲ ۔ اردو کو پاکستان کی واحد قومی زبان پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے دستور میں پہلی بار قرار دیا گیا۔

۳ ۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے ۱۵ تاریخ کو حلف اُٹھایا تھا۔

۴ ۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے حالات پر سب سے پہلے اردو میں رئیس احمد جعفری نے کتاب لکھی تھی، جس کا نام "حیات محمد علی جناح" تھا۔

۵ ۔ پاکستان بننے کے بعد قائدِ اعظم نے سب سے پہلے ۱۸۔ اگست ۱۹۴۷ء کو عید کا پیغام دیا تھا۔

۶ ۔ پاکستان بننے کے بعد صوبۂ مغربی پنجاب کے پہلے وزیر اعلا خان افتخار حسین ممدوٹ تھے۔

۷ ۔ مشہور ناول "آنگن" کی مصنفہ جس کو آدم جی ادبی انعام بھی ملا تھا، محترمہ خدیجہ مستور تھیں۔

۸ ۔ سر سید کے والد کا نام میر متقی تھا۔

۹ ۔ مشہور ادیب جناب نسیم حجازی کا اصل نام محمد شریف ہے۔

۱۰ ۔ پاکستان کے سابق وزیر خارجہ جناب عزیز احمد کا انتقال نومبر ۱۹۸۲ء میں ہوا۔

۱۱ ۔ اڈولف ہٹلر ۲۰۔ اپریل ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوا تھا۔

۱۲ ۔ صحت کے اصولوں کے بارے میں اردو کتاب "جسم و جاں" کے مصنف مشہور ماہر قلب ڈاکٹر سید اسلم صاحب ہیں۔

بارہ صحیح جوابات

اس بار معلومات عامہ ۲۳۶ کے بارہ سوالوں کے صحیح جوابات کسی نونہال نے بھی نہیں بھیجے۔

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

شگفتہ ناز انصاری
محمد وقاص انصاری
عبداللہ جان
محمد اقبال اعوان
محمد ادریس انصاری
نعمان ادریس
محمد شاہد اقبال صدیقی
نداعروج انصاری
بُشرا ظفر انوار
حمیرا ارم
سہیل عباس
افتخار احمد
ندیم احمد صدیقی
مسعود نبی خان
عائشہ خاتون

سانگھڑ

لطیف حیدر خاص خیلی
ایم جاوید غوری
ناصر علی جانی سیٹھ
ایم ہاشم علی غوری
غلام رسول پارس منصوری
شہزادہ سفری بالو
ریاض الدین منصوری
صلاح الدین منصوری
شاکر علی منصوری
ریاست علی منصوری
حماد دانش غوری
شمع اقبال غوری
محمد امین سیف الملوک
غلام نبی کنول منصوری
غلام رسول پارس
عاجز عبدالرحمن رند
علاؤالدین منصوری

سنجھورو

محمد طاہر آرائیں
محمد یامین مغل
شہزادہ ملک خدا بخش، بستی آڈھوجہ
شہزادہ ملک فقیر محمد سفری 〃
محمد اقبال ، سامارو
محمد اشرف آزاد، 〃
محمد کامل منصوری، ٹنڈوالہ یار
محمد عارف، سیال کوٹ
شفیق احمد محمد عالم میمن، لاڑکانہ

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

محمد رضوان سلیم، کراچی | ایم شہزاد سلیم، سانگھڑ | سید نوید علی ہاشمی، سانگھڑ | شبیر خان، کراچی | چن زیب عباسی، کراچی

فضل الرحمٰن، کراچی

سرفراز خان، کراچی

جاوید خان، کراچی

عبدالشکیل، کراچی

شرمین حمیرا صدیقی، کراچی

ارشد عالم، کراچی

سجاد علی، کراچی

وسیم احمد صدیقی، کراچی

محمد صدیق، کراچی

محمد ہاشم منصوری، کراچی

نوشاد ملک، کراچی

محمد عبدہ خان ساجد، سانگھڑ

اسد اللہ صدیقی، کراچی

حمید احمد، کراچی

فہیم احمد صدیقی، کراچی

محمد محبوب الرحمٰن، کراچی

عتیق الرحمٰن، کراچی

ظہیر عباس، کراچی

نیاز خان، کراچی

فہیم نبی خان، کراچی

فرحان مصطفےٰ خان، دبئی

خالد محمود قریشی، کراچی

مجیب ظفر انوار، کراچی

راحیلہ شکیل، کراچی

آسیہ صدف، لاڑکانہ

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

محمد جاوید اقبال ناز، فیصل آباد	عمران اختر، کراچی	خواجہ مقیت احمد، کراچی	سہیل اقبال میمن، سانگھڑ
سیما ہاشم، کراچی	کامران اختر "	رشید احمد صدیقی "	محمد سلیم میمن، "
زرین عثمانی "	مشتاق رحمت اللہ، کراچی	فیاض احمد سومرو، خیرپور میرس	اعجاز علی لاشاری، نصیر آباد
آصف خان "	انصار عالم قدیر "	محمد عمران شاہین، مظفر گڑھ	رب نواز سولنگی، "
محمد ندیم "	نوید اقبال "	حمیرا شاہین "	حسن جواد سومرو، خیرپور میرس

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

سید معیز الدین، کراچی

عبدالرزاق ندیم، کراچی

محمد ارمان حسین، کراچی

آصف علی، کراچی

افتخار احمد، کراچی

ایم نادر خان ساجد، سانگھڑ

الطاف احمد خان، کراچی

پرنس ہاشم غوری، سانگھڑ

نعیم احمد، کراچی

خورشید عالم، کراچی

ریحان جمیل، کراچی

رئیس احمد قدیر، کراچی

احمد حاجی عزیز، کراچی

شبر زمان، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

محمد سعید حمزہ
حمزہ ابراہیم
نور الحسن
محمد اسد حسن
محمد نعیم حسن
سعیدہ نور
ایم صادق پرنس
ایم ندیم خان زئی
نفیسہ حمزہ
سید ندیم یوسف
محمد زاہد یوسف
شاہانہ رفیق

سکھر

عالیہ نزہت
سعدیہ انجم

خیرپور میرس

قدیر محمد صدیقی
منیر گل کھوڑا
محمد عامر سعید
الطاف اللہ شیخ
ثوبیہ صدیقی، فیصل آباد
محمد اقبال مہر، جھٹ پٹ

ننھا سُراغ رساں

(کہانیاں)

مُصنّف

مسعود احمد برکاتی و دیگر

بچے اور نوجوان بھی بہادری اور سُراغ رسانی کے کام کر سکتے ہیں۔ سراغ رسانی اور بہادرانہ کارناموں کی یہ اچھی کہانیاں پڑھیے۔ ان میں:-
★ ایک ننھا سُراغ رساں ایک تلوار پر کھُدی ہوئی عبارت پڑھ کر دلیل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ تلوار کبھی امریکی جنرل جیکسن کے پاس نہیں رہی تھی۔ ★ جرمنی میں جنگی قیدی لکڑی کے گھوڑے کے نیچے زمین میں سرنگ بنا کر فرار ہو جاتے ہیں ★ ایک بچہ سرکس میں لکڑی کے شیر کے پیٹ میں چھُپائے ہوئے جواہرات کا کھوج لگاتا ہے۔ ★ اس کے علاوہ جواہرات پر ڈاکا ڈالنے کے لیے ہوائی جہاز کو ہائی جیک (اغوا) کرنے کا سنسنی خیز واقعہ پڑھیے۔

قیمت ۵/۰۰ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد
کراچی ۱۸

ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ

ٹوتھ پیسٹوں کی طویل فہرست میں اس نئے نام کا اضافہ کیوں؟

اس لیے کہ صرف اسی میں پیلو کے معجزانہ خواص شامل ہیں

پیلو، دانتوں کی مکمل صفائی اور مسوڑھوں کی صحت کے لیے مشرق میں صدیوں سے متعارف ہے۔

طویل تحقیق اور مسلسل تجربات کے بعد، اب جدید سائنس نے بھی حفظِ دنداں کے لیے اس کے معجزانہ اثرات کو تسلیم کرلیا ہے۔ چوں کہ کسی دوسرے ٹوتھ پیسٹ میں پیلو شامل نہیں اس لیے پیلو فارمولے کے مطابق ایک نئے ٹوتھ پیسٹ کی ضرورت ناگزیر تھی جو ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ نے پوری کردی۔

ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ دانتوں کو صاف اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے اور امراضِ دہن سے محفوظ رکھتا ہے۔

——صحتِ اسنان – صحتِ انسان——

ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ

فلورائیڈ کے ساتھ

پیلو کے اوصاف مسوڑھے مضبوط، دانت صاف

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق
پاکستان سے محبت کرو – پاکستان کی تعمیر کرو

Interflow · AB · 1